کے تحت زیارت گاہوں اور میلوں ٹھیلوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ دلچسپی کا ذکر ہے، آخر میں اُن صوفیوں اور سنتوں کے مختصر حالات اور زریں اقوال تحریر کیے گئے ہیں جنھوں نے خدا کی بندگی، خلق کی خدمت اور انسانیت و اخوت کا درس دے کر سب کو پیار اور محبت کی تلقین، صلح و آشتی کا پیام اور اتحاد و یک جہتی کی دعوت دی ہے، ممکن ہے کہ مصنف کے ہر خیال سے اتفاق نہ کیا جائے، لیکن یہ کتاب قومی یک جہتی کو فروغ دینے اور نفرت و اختلاف کو دور کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس حیثیت سے یہ قوم و وطن کی ایک مفید خدمت ہے،

تذکرہ حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری: مرتبہ جناب محمد معین الدین اختر صاحب (ایم-اے-عثمانیہ) تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر صفحات: ۱۲۸، قیمت: للعہ ۵۰ پیسے (۱) ادبی ٹرسٹ بک ڈپو۔ کنار راجینک بلڈنگ عابد روڈ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (۲) معین منزل ۹۷۳/۴۹-۴-۲۰ خانہ باغ روڈ، خلوت مبارک، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

یہ جنوبی ہند کے ایک مشہور بزرگ حضرت سید شاہ اسماعیل قادری کا تذکرہ ہے، مصنف کو تلاش کے باوجود ان کے حالات کم ملے ہیں، البتہ انھوں نے اس میں شاہ صاحب کے شجرہ نسب، خوارق، تصرفات، عرس و نیاز اور درگاہ و مزار کے متعلق بعض معلومات جمع کر دیے ہیں، اور درگاہ کی متعدد عمارتوں کے عکسی فوٹو بھی دئے ہیں، عرس کی جو تفصیل دی گئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے بزرگوں کے مزاروں اور عرسوں کی طرح یہاں بھی غیر شرعی رسمیں مروج ہیں، بعض خامیوں کے باوجود یہ کتاب محنت سے لکھی گئی ہے،

"ض"

جلد ۱۱۹ ماہ نومبر ۱۹۷۶ء مطابق ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ عدد ۵

مضامین

مقالات

وفیات

......٥<>٥......

شذرات

پچھلے مہینہ ذکر آیا تھا کہ پاکستان میں دارالمصنفین کی کتابوں کے حق طباعت کا جو معاہدہ وہاں کی وزارت تعلیم کے ایک ادارہ نیشنل بک فاونڈیشن سے ہوا تھا، اس کی نقل اسلام آباد کے اپنے سفارت خانہ میں جمع کردی تھی، وہاں سے یہ تسکین بخش خط موصول ہوا ہے کہ یہ بہت ہی خوش آئند صورت حال نمودار ہوئی ہے، اس کے لئے راقم کو مبارکباد بھی دی گئی ہے، معاہدہ کی نقل اپنی مرکزی حکومت کی وزارت خارجہ کے پاس بھی ارسال کی تھی، وہاں بھی اس پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے، ہمارے ارباب حکومت نے اس معاہدہ کی تائید کرنے میں کشادہ دلی کی جو قابل قدر اسپرٹ دکھائی ہے، اس کے لئے دارالمصنفین ان کا شکر گذار ہے،

دارالمصنفین پاکستان کی حکومت کے حسن سلوک کا بھی ممنون ہے جب سے اس کی خبر ہندوستان کے اخباروں میں چھپی ہے، اس پر اچھے اچھے اداریے بھی لکھے جارہے ہیں، اس سلسلہ میں دونوں حکومتوں کی طرف سے جو رواداری اور فراخدلی کا اظہار ہوا ہے وہ دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی ایک نیک اور مبارک فال ہے، اس خاکسار نے پاکستان کے طویل قیام میں یہ محسوس کیا کہ وہاں کے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں یہ عام احساس ہو چلا ہے کہ دونوں ملکوں کے اختلافات سے نقصانات زیادہ اور فوائد کم ہوئے، ہمارے ملک میں بھی یہ خیال بڑھتا جارہا ہے کہ اگر دونوں ملک اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں تو اسی میں دونوں کی فلاح و بہبود ہے، اختلافات نہ ہوتے تو دونوں بھائی بھائی بن کر اب تک ایشیا کی بڑی مؤثر قوت بن جاتے،

حدیث شریف میں ہے کہ بدگمانی انسان کی رگوں کے خون میں شیطان بن کر اس طرح دوڑتی پھرتی ہے کہ اس کو خود اس کی خبر نہیں ہوتی یہی بدگمانی کسی ملک یا دو ملکوں کی رگوں میں دوڑتی پھرے تو ان کے خون کا کینسر بن جاتی ہے اس برصغیر کی سیاست میں ہندو مسلم کا مسئلہ بدگمانیوں کی بھینٹ چڑھتا رہا جس کی بدولت بلوے، فسادات، خونریزی اور آخر میں ملک کی تقسیم ہوئی، اس کے بعد بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا، کئی لڑائیاں بھی ہوئیں، آخر میں پاکستان کی بھی تقسیم ہوگئی، پھر بھی اس برصغیر کے شہریوں کو ذہنی اور سیاسی سکون کی حقیقی روحانیت کی تلاش ہے، یہ کہاں مل سکتی ہے؟ محبت کے بیکدہ میں ہندوستان کے ایک صاحب دل شاعر نے کہا ہے:-

اک لفظ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

اس برصغیر کو دل عاشق مل جائے تو کیا عجب کہ یہ زمانہ کی طرح پھیل کر رہے،

ہندو مسلم اتحاد خواہ یہ ہندوستان کے اندر ہو، یا ہندوستان، پاکستان، اور بنگلہ دیش کے درمیان ہو ایک بے پناہ قوت بن سکتی ہے آج سے پچاس برس پہلے مولانا محمد علیؒ نے یہ لکھا تھا کہ جو ہندو مسلمانوں کے آج کل کے جدال و قتال سے متاثر ہو کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ دونوں کبھی نہ ملیں گے، وہ یہی نہیں کہ اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے بار بار دہرائے ہوئے سبق کو بھول جاتے ہیں بلکہ وہ اسے بھی یاد نہیں رکھتے کہ فطرت انسانی یہی ہے کہ سب بنی آدم ایک ہو جائیں جس طرح وہ نسلاً درحقیقت ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اسی طرح وہ ایک دوسرے کے ساتھ مان جائے بھائی کا سا برتاؤ بھی کرنے لگیں گے، اس سے پہلے مولانا محمد علیؒ نے کوکناڈا کانگریس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی تھی تو اس میں فرمایا تھا "اے اتفاق! تو ضرور آئیگا، ہندو مسلم کو باہم ملا دیگا، ان کو متحد کر دیگا لیکن آج ہمارے سامنے نہیں جو تیرے انتظار کی تکلیف اٹھا رہے ہیں، تو آئے گا ضرور لیکن کب؟ ایک عرصہ کی مصیبتوں، تکلیفوں، صبر آزما التجاؤں، ہمت شکن انکاروں کے بعد"

مولانا محمد علیؒ کی یہ پکار اُن کی زندگی میں صدا بصحرا رہی لیکن اب مصیبتوں، تکلیفوں، صبر آزما التجاؤں، شکستہ نگاروں کی گھڑیاں شاید ختم ہو رہی ہیں، پاکستان نے ہندوستان سے مختلف مسائل پر سمجھوتہ اور ہندوستان کے ایک اغوا شدہ ہوائی جہاز کو محفوظ واپس کر کے جو بلند حوصلگی دکھائی ہے یا خود ہندوستان کے اندر موجودہ ایمرجنسی میں اردو نوازی، مسلمانوں کی جان، مال، آبرو اور درسگاہوں کے تحفظ اور سرکاری ملازمتوں میں اُن کی حق تلفی کے اعتراف میں جو فراخدلی دکھائی جا رہی ہے، وہ مستقبل کے لئے بہت ہی نیک شگون ہے مسلمانوں کے دلوں کی تسخیر کے سلسلہ میں حکومت اور ہندوؤں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے،

ع :۔ جھک جھک کے شیشے ملتے ہیں ہنس ہنس کے جام سے

مسلمانوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کردار کی بلندی، اور سیرت کی پاکیزگی کا ایک اعلیٰ معیار پیش کر کے یہ ثابت کر دکھائیں کہ وہ ایک اچھے مسلمان ہونے کے ساتھ سچے ہندوستانی بھی ہیں،

ع :۔ ایسا کچھ کر کے چلو تم کہ بہت یاد رہو،

"۱۱ر نومبر کو مولانا ابو الکلام آزاد کی سالگرہ اس سال لکھنؤ میں زیادہ اہتمام سے منائی جا رہی ہے، ہندو مسلم اتحاد کے متعلق اُن کے جو قلبی احساسات تھے، وہ اُن کی اس تقریر سے ظاہر ہوتے تھے، جو انھوں نے ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس میں کی تھی، اس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں میں سے اُتر آئے اور دہلی کے قطب مینار پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج چوبیس ۲۴ گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دست بردار ہو جائے تو میں سوراج سے دست بردار ہو جاؤں گا، مگر اُس سے دست بردار نہ ہوں گا، کیونکہ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوئی تو ہندوستان کا نقصان ہوگا، اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہے"

سوراج مل چکا، عالمِ انسانیت کو نقصان سے محفوظ رکھنے کی فضا بھی سازگار ہوتی جا رہی ہے۔

مقالات

عہدِ بعثت کے یثرب (مدینہ) پر ایک نظر

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

سیرت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے عربی میں ایک اہم کتاب لکھی ہے، جس میں بہت سے ایسے تاریخی اور جغرافیائی پہلو واضح کیے ہیں جن پر سیرت نگاروں کی نظر نہیں پڑی یا انکی حقیقت پورے طور پر واضح نہ ہو سکی۔ ذیل کی سطور میں اس کا ایک باب پیش کیا جا رہا ہے، ترجمہ مولوی شمس تبریز خاں رفیق مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام کے قلم سے ہے، امید ہے کہ اس سے ان پیچیدگیوں کے حل کرنے میں مدد ملے گی جن سے سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔

"ایڈیٹر"

مکی اور مدنی معاشروں کا فرق

شہر یثرب کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے (جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دار الہجرۃ، اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز اور ظہور اسلام کے بعد قائم ہونے والے پہلے اسلامی معاشرہ کا گہوارہ بنایا) ہمیں اس کی تمدنی، معاشرتی، اقتصادی صورتحال، قدیم قبائل کے باہمی تعلقات اور وہاں کے یہود کی معاشرتی، اقتصادی اور جنگی اہمیت اور اس زرخیز شہر کے معیار زندگی کو سمجھنا ہوگا، جہاں متعدد مذاہب، ثقافتیں اور معاشرے

دوش بدوش تھے، جبکہ مکہ مکرمہ کا ایک رنگ، ایک طرز اور ایک ہی مذہب تھا، اس سلسلہ میں یہاں پر قارئین کے سامنے کچھ تفصیلات پیش کیجاتی ہیں جن کی مدد سے وہ زمانۂ بعثت کے شہر یثرب کی نوعیت اور صورتِ حال کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں،

یہود اس تاریخی حقیقت کو ترجیح حاصل ہو کہ یہود کی اکثریت جزیرۃ العرب میں عموماً اور شہر یثرب میں خصوصاً پہلی صدی مسیحی میں آئی، مشہور یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے:۔

"۷۰ء میں جب یہودی رومی جنگ کے نتیجے میں فلسطین اور بیت المقدس برباد ہوگئے، اور یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو یہود کی بہت سی جماعتوں نے بلاد عرب کا رخ کیا، جیسا کہ یہودی مورخ جوزیفس کا کہنا ہے جو خود بھی اس جنگ میں شریک تھا اور بعض مواقع پر اس نے یہودی ٹکڑیوں (Zealots) کی قیادت بھی کی تھی، عربی ماخذ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔"[1]

مدینے میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے (جن میں بالغوں کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی) قینقاع، نضیر، قریظہ۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ قینقاع کے لڑنے والوں کی تعداد سات سو تھی، نضیر کے آدمیوں کی تعداد بھی اتنی ہی تھی، جبکہ قریظہ کے بالغوں کی تعداد سات سو اور نو سو کے درمیان تھی۔"[2]

ان تینوں قبائل کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے اور کبھی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں، ڈاکٹر ولفنسن کہتا ہے:۔

[1] تاریخ الیہود فی بلاد العرب فی الجاہلیۃ وصدر الاسلام: اسرائیل ولفنسن (ابو ذویب) ص۹ (قاہرہ ۱۹۲۷ء) [2] یہ اندازہ سیرت ابن ہشام کے ان اعداد و شمار سے کیا گیا ہے جو جنگوں اور واقعات کے تذکرے میں آئے ہیں، جیسے بنی نضیر کی جلا وطنی، بنی قریظہ کا قتل وغیرہ۔

"بنی قینقاع اور بقیہ یہود میں عداوت چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ بنی قینقاع بنی خزرج کے ساتھ "یوم بعاث" میں شریک تھے، اور بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بنی قینقاع کا بڑی بے دردی سے کشت و خون کیا تھا، اور ان کا شیرازہ بری طرح سے منتشر کر دیا تھا، حالانکہ انھوں نے گرفتار ہونے والے تمام یہود کا فدیہ بھی ادا کر دیا تھا، چنانچہ "یوم بعاث" کے بعد یہودی قبائل میں باہمی نزاع چلی آرہی تھی، جب قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو انصار کے مقابلے پر ان کا کسی یہودی نے بھی ساتھ نہیں دیا۔"[1]

قرآن مجید نے بھی یہود کی باہمی عداوت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ — اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں
دِمَاءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ — خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن
مِنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ — سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم
تَشْهَدُوْنَ، ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ — مانتے ہو، پھر تم ہی اپنوں کو قتل کرتے ہو،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) قینقاع، نضیر، اور قریظہ بڑے قبیلے تھے جن کی ماتحت شاخیں بھی تھیں، جیسے بنی بدل قریظہ کے تابع تھے، جن میں سے بعض بڑے صحابی بھی ہوئے اور جیسے بنی زنباع جو بنی قریظہ کی شاخ ہے، بعض یہودی جماعتوں کے نام اس معاہدے میں بھی آئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ہوا تھا، جیسے بنی عوف، بنی النجار، بنی ساعدہ، بنی ثعلبہ، بنی جفنہ، بنی الحارث وغیرہ اس معاہدے میں ان جماعتوں کے ذکر کے بعد آیا ہو کہ ان بطانۃ یہود کانفسھم (یہود کے خواص اور انکے معتمد علیہ کا معاملہ بھی انھیں کی طرح ہو) اسی لیے سمہودی، صاحب "وفاء الوفاء" کا کہنا ہو کہ یہود بیس سے زیادہ قبیلوں سے زیادہ تھے۔" (وفاء الوفاء ۱۱۶)۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] الیہود فی بلاد العرب ص ۱۲۹۔

تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ	اور اپنے ایک فرقے کو ان کے گھروں سے
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ	نکالتے ہو، ان پر چڑھائی کرتے ہو،
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ	گناہ اور ظلم کے طور پر اور اگر وہ تمھارے
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ	پاس قید ہو کر آئیں تو تم فدیہ دیتے ہو،
مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ۔[1]	حالانکہ ان کا نکالدینا بھی تم پر حرام ہے،

یہود مدینہ کی مختلف بستیوں اور محلوں میں رہتے تھے، جو انھیں کیلئے مخصوص تھیں، بنو قینقاع کو جب بنو نضیر اور بنو قریظہ نے مدینہ کے نواحی محلے سے بھگایا تو وہ شہر کے اندر ایک خاص محلے میں رہنے لگے، بنو نضیر مدینہ سے دو تین میل کی دوری پر وادی بطحان کی بلندی پر رہتے تھے، جو کھجوروں اور کھیتوں سے مالا مال تھی، بنو قریظہ مدینہ کے جنوب میں چند میلوں پر واقع مہزور کے علاقے میں رہتے تھے،[2]

مدینہ میں یہود کی مخصوص بستیاں تھیں جن میں قلعے اور مستحکم عمارتیں بنی ہوئی تھیں، ان میں وہ مستقل طور پر رہتے تھے، انھیں یہودی حکومت بنانیکا موقع نہیں ملا، بلکہ وہ قبائلی سرداروں کی حمایت وحفاظت کے تحت چین سے رہتے تھے، اور اس حمایت کے بدلے میں انھیں سالانہ محصول ادا کرتے تھے جس کے سبب وہ بدوؤں کے حملوں سے بھی محفوظ رہتے تھے، اس خطرے کے پیش نظر یہودی معاہدوں پر مجبور تھے، چنانچہ ہر یہودی سردار اعراب اور رؤسائے عرب میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حلیف بنائے رکھتا تھا،[3]

مذہبی امور | یہودی اپنے کو ایک مستقل مذہب اور آسمانی شریعت کا حامل سمجھتے تھے، چنانچہ وہ

---

[1] سورۃ البقرہ /۸۴، ۸۵　[2] بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ، للدکتور محمد سید الطنطاوی ص ۷۷　[3] تلخیص از تاریخ العرب قبل الاسلام" ج ۶، ص ۲۳: ڈاکٹر جواد علی (بغداد)

اپنے مدرسوں میں (جن کو مدراس کہتے تھے) اپنے دینی اور دنیوی امور، شرعی احکام، تاریخ اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے حالات پڑھتے اور پڑھاتے تھے، اسی طرح مخصوص عبادتگاہوں میں وہ اپنی عبادات اور دینی شعائر انجام دیتے تھے، وہ انہی جگہوں پر اپنے تمام دینی اور دنیوی امور کے سلسلے میں مشورہ اور تبادلۂ خیالات کے لیے جمع ہوتے تھے، یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین پر عمل کرتے تھے، جن میں سے کچھ انھوں نے اپنی کتابوں سے اخذ کیے تھے، اور کچھ ان کے کاہنوں اور عالموں نے اپنی طرف سے ایجاد کرلیے تھے، اسی طرح وہ اپنی عیدیں الگ مناتے تھے، کچھ خاص دنوں جیسے یوم عاشورا میں روزے رکھتے تھے"[1]

اقتصادیات | دوسری قوموں سے ان کے بیشتر مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے، اور مدینہ جیسے زراعتی علاقے کے پیش نظر انھیں اس کا سنہرا موقع بھی حاصل تھا، کیونکہ کسانوں کو کھیتی کے موقع پر اکثر قرض کی ضرورت پیش آتی ہے۔[2]

رہن کا نظام صرف زر و مال تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ مجبوری کی حالت میں عورتیں اور بچے بھی رہن رکھ لیے جاتے تھے، چنانچہ کعب بن الاشرف کے قتل کے سلسلے میں امام بخاریؒ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے :-

قال له محمد بن مسلمة	محمد بن مسلمہؓ نے کعب سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں
قد اردنا ان تسلفنا وسقا	کہ تم ایک وسق یا دو وسق غلہ ہمیں قرض
او وسقين، فقال نعم، ارهنونی	دو، اس نے کہا کہ بشرطیکہ تم میرے پاس
قالوا ای شیٔ ترید؟ قال	کچھ رہن رکھو، انھوں نے پوچھا کہ تم
ارهنونی نساءکم قالوا كيف	کیا چیز چاہتے ہو؟ کعب نے کہا تم میرے پاس

---

[1] بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ ص ۸۰-۸۱　[2] ایضاً

نرهن نساءنا وانت اجمل	اپنی عورتوں کو رہن رکھدو، انھوں نے
العرب، قال: فارهنونی	کہا کہ ہم اپنی عورتوں کو تمھارے پاس کیسے رہن
ابناءکم، قالوا کیف نرهنك	رکھدیں جبکہ تم عربوں میں خوبصورت ترین
ابناءنا فیسب احدهم	انسان ہو، اس نے کہا کہ تب اپنے بیٹوں
فیقال رهن بوسق او وسقین	کو رہن رکھدو، اس پر انھوں نے کہا کہ
قال هذا عار علینا	ہم تمھارے پاس اپنے بیٹوں کو کیسے رکھدیں
ولکن نرهنك اللأمة [1]	کہ آگے انھیں طعنہ دیا جائے کہ وہ ایک یا دو
	وسق کے بدلے رہن رکھے گئے تھے، اور یہ ہمارے
	لیے بڑی شرم کی بات ہوگی، البتہ ہم تمھارے
	پاس ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔

اس قسم کے رہن کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ راہنوں اور مرتہنوں کے درمیان نفرت وعداوت پیدا ہو جائے، خصوصاً اس وقت جبکہ عرب اپنی عورتوں کے سلسلے میں غیرت وحمیت کے لیے شہرت رکھتے تھے،

مدینہ کی اقتصادیات پر یہود کے اس تسلط کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا معاشی دباؤ بہت بڑھ گیا، اور منڈیوں میں من مانی کرنے لگے، اپنی مصلحت ومنفعت کے مطابق مصنوعی قلت پیدا کر کے چوربازاری اور ذخیرہ اندوزی سے کام لینے لگے، اس لیے مدینہ کی اکثریت ان کی دھاندلی اور حد سے زیادہ سودخوری اور نفع اندوزی کی ایسی شرمناک حرکتوں کی وجہ سے ان سے نفرت

[1] بخاری نے اسے کتاب المغازی میں باب "قتل کعب بن الاشرف" میں ذکر کیا ہے، ابن ہشام نے بھی تھوڑے فرق کے ساتھ یہ قصہ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۵۱ پر نقل کیا ہے۔

کرنے لگی تھی جن سے ایک عرب آدمی دور رہتا ہے۔[1]

ان کے جبلی حرص وہوس اور توسیع پسند سیاست کے پیش نظر DE-LACY, O'LEARY نے اپنی کتاب "عرب قبل محمد" میں لکھا ہے کہ

"اصل بدوی باشندوں[2] اور نو آباد یہودیوں کے تعلقات، ویں صدی مسیحی میں بہت خراب ہو گئے تھے، کیونکہ ان یہودیوں نے اپنی کاشت کے علاقے ان بدوؤں کی چراگاہوں تک وسیع کر لیے تھے[3]"

اوس وخزرج (مدینہ کے عرب باشندے) اور یہود کے تعلقات ذاتی نفع اور استحصال پر مبنی تھے، یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑانے پر بھی اپنے فائدے کی صورت میں بہت خرچ کرتے تھے، جیسا کہ اوس وخزرج کی متعدد لڑائیوں میں انھوں نے کیا تھا جن کے نتیجے میں یہ دونوں قبیلے تباہ ہو رہے تھے، ان کے پیش نظر صرف یہی رہتا تھا کہ مدینہ پر ان کا مالی تسلط برقرار رہے، آنے والے نبی کے سلسلے میں یہود کی گفتگوؤں نے بھی اوس وخزرج کو داخل اسلام ہونے پر آمادہ کر دیا تھا[4]

دینی وثقافتی حالت بلاد عرب کے یہود کی زبان فطری طور پر عربی ہی تھی لیکن وہ خالص نہیں رہ گئی تھی، بلکہ اس میں تھوڑی سی عبرانی کی بھی آمیزش ہو گئی تھی، کیونکہ انھوں نے عبرانی کا استعمال پوری طرح نہیں چھوڑا تھا، وہ اپنی عبادتوں اور تعلیمی امور میں اس کا استعمال کرتے رہتے تھے[5]

[1] بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ ص ۹، [2] ان سے عرب قبائل مراد ہیں، جیسے اوس وخزرج اور دوسرے عرب جو مدینہ کے اطراف میں ان کے پڑوسی تھے [3] Arabia before Mohammad (London, 1927-R [4] بنو اسرائیل فی القرآن والسنۃ: للدکتور محمد سید الطنطاوی ص ۷۳-۱۰۱ [5] مکۃ والمدینۃ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول: احمد ابراہیم الشریف ۲۰۳

یہود کے دینی و دعوتی پہلو کے بارے میں ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے:-

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود کو عرب میں اپنا دینی اقتدار وسیع کرنے کے وسائل حاصل تھے، اور وہ اگر چاہتے تو حاصل کردہ اقتدار سے کہیں زائد اثر و نفوذ حاصل کر سکتے تھے، لیکن تاریخ یہود کا ہر جاننے والا جانتا ہے کہ یہود نے دوسری قوموں کو اپنے دین کے قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کیا اور بعض وجوہ سے اشاعت دین یہود کے لیے ممنوع رہی ہے۔"[1]

لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اوس وخزرج اور دوسرے عرب قبائل سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد نے یہودیت کو اپنی مرضی سے یا رشتہ داری، یا یہودی ماحول میں پرورش پانے کے سبب اختیار کر لیا تھا، عرب کے یہود میں سب قسمیں پائی جاتی تھیں، یہ بھی معلوم ہے کہ ممتاز یہودی تاجر اور مشہور شاعر کعب بن الاشرف (جو نضری کی نسبت سے بھی معروف ہے) قبیلۂ طے کا ایک فرد تھا، اس کے باپ نے بنی نضیر میں شادی کی تھی، چنانچہ کعب ایک پرجوش یہودی کی صورت میں پروان چڑھا، ابن ہشام لکھتے ہیں کہ

"اس کا آبائی تعلق قبیلہ طے پھر بنی نبہان سے تھا، اس کی ماں بنی نضیر سے تھی۔"[2]

عربوں میں ایک رسم یہ تھی کہ جس کا لڑکا زندہ نہ رہتا تھا وہ یہ نذر مانتا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اس کو یہودیوں کے سپرد کر دے گا، کہ وہ اس کو اپنے میں شامل کر لیں، چنانچہ بہت سے عرب اس طرح بھی یہودی بن گئے تھے، سنن ابوداؤد میں حسب ذیل روایت ملتی ہے:-

عن ابن عباسؓ قال: کانت	جس عورت کا بچہ زندہ نہ رہتا تھا وہ
المرأة تکون مقلاة فتجعل علی	نذر مانتی تھی کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے

[1] الیہود فی بلاد العرب: اسرائیل ولفنسن ۲، ۷ [2] ابن ہشام ج ۱ ص ۵۱۴

نفسها ان عاش لها ولد ان	یہودی بنا دے گی، چنانچہ جب بنو نضیر
تهوده، فلما اجليت بنو النضير	جلاوطن ہوئے تو ان میں سے انصار کے
کان فیهم من ابناء الانصار	لڑکے بھی تھے، اس لیے وہ کہنے لگے کہ ہم
فقالوا لا ندع ابناءنا، فانزل	اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے اس پر
الله تعالیٰ: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ	یہ آیت اتری لَا اِکْرَاہَ فِی
قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[1]	الدِّیْنِ ...

اوس وخزرج

اوس وخزرج (مدینہ کے عرب باشندوں) کا سلسلۂ نسب یمن کے قبیلۂ ازد سے ملتا ہے، جہاں سے یثرب کی طرف ہجرت کی لہریں مختلف وقفوں میں اٹھتی رہیں جس کے کئی اسباب تھے ان میں یمن کی غیر یقینی صورت حال حبش کا حملہ، سد مارب کے انہدام و شکستگی کے بعد آبپاشی کی دقت وغیرہ بھی ہیں، اس طرح اوس وخزرج مدینہ میں یہود کے بعد آئے، اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب و مشرق میں آباد ہوئے جو عوالی کا علاقہ کہلاتا ہے، خزرج کے قبائل وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے، جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے، ان کے بعد مغرب میں حرۃ الوبرۃ تک اور کچھ نہیں ہے۔[2]

خزرج چار قبیلوں پر مشتمل تھے، (۱) مالک (۲) عدی (۳) مازن (۴) دینار سب کے سب بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے، جنھیں تیم اللات کہا جاتا ہے، بنو نجار کے قبائل مدینہ کے اس وسطی حصے میں آباد ہوئے جہاں اب اس وقت مسجد نبویؐ واقع ہے، اوس مدینہ کے زرخیز زراعتی علاقوں میں مقیم ہوئے، اور یہود کے اہم قبیلوں اور جماعتوں کے پڑوسی بنے، خزرج جہاں ٹھہرے وہ زیادہ سرسبز علاقہ نہ تھا، ان کا صرف ایک بڑا

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب لا اسیر یکرہ علی الاسلام ج ۲ [2] مکہ والمدینہ ۳۱۱

بڑا یہودی قبیلہ قینقاع ہی پڑوسی تھا،[1]

اب اوس وخزرج کے افراد کی یقینی تعداد معلوم کرنا بہت دشوار ہے لیکن حالات وحوادث پر نظر رکھنے والا ان کی جنگی قوت کا اندازہ ان جنگوں سے کرسکتا ہے جن میں وہ ہجرت نبوی کے بعد شریک ہوئے، چنانچہ فتح مکہ کے دن ان کے لڑنے والے افراد کی تعداد چار ہزار تھی،[2]

مدینہ میں ہجرت کے وقت عربوں ہی کو بالا دستی اور اقتدار حاصل تھا، یہود اپنے ان حریفوں کے مقابلے میں متحد اور منظم نہیں تھے، ان کے مختلف قبیلوں میں پھوٹ تھی، کچھ قبیلے اوس کے ساتھ معاہدہ کیے ہوئے تھے اور کچھ خزرج کے ساتھ تھے، لڑائی کے وقت وہ اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے پر عربوں سے زیادہ سخت گیر واقع ہوئے تھے، بنی قینقاع اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کی باہمی عداوت کے نتیجے میں بنی قینقاع اپنے کھیت چھوڑ کر صنعت وحرفت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے تھے،[3]

اسی طرح اوس وخزرج کے درمیان بھی بہت سی جنگیں ہوئیں، جن میں سے پہلی جنگ سمیر تھی آخری جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی،[4] یہود، اوس وخزرج کو باہم لڑانے کے لیے سازشیں کرتے اور اختلاف اور مقابلے کی آگ بھڑکاتے رہتے، تاکہ عرب ان کی طرف سے غافل رہیں، عرب بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے، اسلیے ان کو ثعالب (لومڑی) کے لقب سے یاد کرتے تھے،

اس سلسلے میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت سے جو واقعہ لکھا ہے اس سے اس پر خاصی

---

[1] مکہ والمدینہ ۳۱۱ [2] الامتاع ۱/۳۶۴ [3] مکہ والمدینہ ۳۲۲ [4] فتح الباری ج ۷، ص ۸۵، جنگ بعاث کی تفصیلات اور اسباب محرکات کے لیے ملاحظہ ہو کامل ابن الاثیر،

روشنی پڑتی ہے، اس واقعہ میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک کبیر السن یہودی شعث بن قیس نے ایک جگہ اوس وخزرج کو اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مجلس میں بیٹھے لطف ومحبت کی باتیں کرتے ہوئے سنا، اس کو یہ منظر دیکھکر سخت تکلیف ہوئی اور وہ برداشت نہ کرسکا، اس نے ایک یہودی نوجوان کو جس کے انصار سے تعلقات تھے اشارہ کیا کہ وہ اس مجلس میں شریک ہو جائے، پھر کسی تقریب سے جنگ بعاث اور اس سے پہلے کی جنگوں کا ذکر چھیڑ دے اور ان موقعوں پر کہے ہوئے اشعار پڑھے، تاکہ دونوں قبیلوں کے زخمہائے کہن تازہ ہو جائیں اور حمیت جاہلیت اپنا رنگ دکھائے،

یہ سازش بے نتیجہ نہیں رہی اور ان دونوں قبیلوں کی جو حریفوں اور دشمنوں کی طرح لڑتے تھے، رگِ حمیت بھڑک اٹھی، قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کے ساتھ تشریف لے آئے، اور اپنے ارشادات سے ان کی ایمان کی چنگاری کو فروزاں اور اُن کے دینی جذبہ کو بیدار کر دیا، اُن کو فوراً احساس ہوا کہ وہ ایک گہری سازش کا شکار ہو گئے، ان کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا، اوس وخزرج باہم بغلگیر ہوئے اور ایسا معلوم ہوا کہ کچھ نہیں ہوا تھا،[1]

طبعی اور جغرافی کیفیت یثرب ہجرت نبوی کے وقت مختلف حصوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں یہودی اور عرب قبائل رہتے تھے، اور ہر علاقہ کسی نہ کسی قبیلے کے حصے میں تھا، ان علاقوں کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم زراعتی زمینوں اور مکانات اور ان کے رہنے والوں پر مشتمل تھی، اور دوسری قسم میں "آطام یا اطم" یا گڑھیاں اور قلعہ بند محلے تھے، یہودی ان گڑھیوں (آطام) کی تعداد ۵۹ تھی،[2] ڈاکٹر ولفنسن ان آطام (گڑھیوں) کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

---

[1] ملاحظہ ہو ابن ہشام ج ۱ ص ۵۵۵-۵۵۶ [2] ماخوذ از تاریخ الیہود فی بلاد العرب: اسرائیل ولفنسن ۱۱۶ [3] وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ للسمہودی ۱/۱۱۶

یثرب میں اطام (گڑھیوں) کی بڑی اہمیت تھی، جہاں دشمن کے حملے کے وقت قبیلے کے لوگ پناہ لیتے تھے، اور خاص طور پر عورتوں، بچوں اور معذور لوگوں کو اس وقت ٹھکانا ملتا تھا جب مرد لڑنے کے لیے چلے جاتے تھے، یہ گڑھیاں گودام کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں جن میں غلے اور پھل جمع کیے جاتے تھے، کیونکہ وہ کھلی جگہوں پر لوٹ اور غارتگری کا نشانہ بن سکتی تھیں، اس کے علاوہ ان میں مال اور ہتھیار بھی رکھے جاتے تھے، یہ دستور تھا کہ سامان سے لدے ہوئے تجارتی قافلے گڑھیوں کے قریب ہی اترتے تھے، اور ان ہی گڑھیوں کے دروازوں پر بازار بھی لگتا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں عبادت گاہیں اور "مدراس" (یہودی مدارس) بھی ہوتے تھے، اس لیے کہ جو عمدہ اور وافر سامان وہاں رہتا تھا اس سے اسی کا پتہ چلتا ہے، وہاں دینی کتابیں بھی رہتی تھیں، چنانچہ وہاں بحث و مشورہ کے لیے یہودی سردار جمع ہوتے، جہاں وہ کسی اہم معاملے کو پختہ کرنے یا عہد و معاہدہ کے وقت کتب مقدسہ کی قسمیں کھاتے تھے[1]

ڈاکٹر ہذکور "اطم" کی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ

"عبرانی زبان میں اس کے معنی بند و مسدود کر دینے کے ہوں گے، دیواروں کے ساتھ جب یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی ان کھڑکیوں کے ہوتے ہیں جو باہر سے بند مگر اندر سے کھولی جا سکتی ہوں، اس کا استعمال فصیل یا زبردست حفاظتی دیوار کے لیے بھی ہوتا تھا...... اس طرح ہم فرض کر سکتے ہیں کہ یہود "اطم" کو چھوٹے قلعہ کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اس میں باہر سے روشندان ہوتے تھے جو باہر سے بند اور اندر سے کھلے[2]۔

۱؎ الیہود فی بلاد العرب ۱۱۶-۱۱۷ ۲؎ ایضاً ۱۱۷

یثرب انہی محلوں اور قلعہ بندیوں کا نام تھا جو دراصل قریب قریب کی بستیوں کا مجموعہ تھا جن سے شہر بن گیا تھا، قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مَآ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى (حشر-۷) — جو کچھ دیا اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے

نیز دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ — وہ تم سے اکٹھے نہیں لڑتے مگر یہ کہ قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے ہوں،

مدینہ طیبہ میں حرات کی بھی بڑی اہمیت تھی، حرہ لابہ[1] جلے ہوئے سیاہ پتھروں کے اس علاقے کو کہتے ہیں جن کو آتشیں سیال مادہ نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے اور جو بالکل بے ترتیب اور سخت نوکیلے اور آڑے ترچھے میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں، ان پر نہ پیدل چلنا آسان ہے اور نہ اونٹوں اور گھوڑوں کا گذرنا، مدینے کے دو حرے مشہور ہیں، ایک جانب مغرب جس کو "حرۃ الوبرۃ" کہتے ہیں اور ایک جانب مشرق جو حرۃ واقم کے نام مشہور ہے، علامہ مجد الدین فیروزآبادی نے اپنی کتاب المغانم المطابۃ فی معالم الطابۃ میں متعدد حرات کا ذکر کیا ہے، جو مدینے کے گرد پھیلے ہوئے ہیں[2]، ان دونوں حرات (حرۃ الوبرۃ اور حرہ واقم) نے مدینے کو ایک قلعہ بند شہر بنا دیا ہے، جس پر صرف شمالی جانب سے فوج کشی ہو سکتی تھی، (اور یہی وہ جانب ہے جس کو غزوہ احزاب میں خندق کھود کر محفوظ کر دیا گیا تھا) جنوبی جانب گھنے نخلستانوں اور باغات اور گنجان آبادی

۱؎ لابہ اور لاوا (Lava) متقارب الصوت اور متقارب المعنی لفظ ہیں، یہ اس آتش گیر مادہ کو کہتے ہیں جو کسی کوہ آتش فشاں سے یا طبقات الارض کی کسی تبدیلی سے ابل کر بہتا ہے ۲؎ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۸-۱۱۴

کے ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکانات سے ایسی گھری ہوئی ہے کہ ادھر سے بھی بیرونی حملہ مشکل ہے، ہجرت کے لیے مدینے کے انتخاب میں مدینے کے اس قدرتی استحکام اور فوجی محفوظ صورت کو بھی دخل تھا۔[۱]

حرۂ واقم جو مدینے کے مشرق میں تھا، وہ حرۃ الوبرہ سے زیادہ آباد تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کو ہجرت فرمائی تو حرۂ واقم میں یہود کے اہم قبائل جیسے بنونضیر و بنوقریظہ وغیرہ رہتے تھے، ان کے ساتھ اوس کی اہم شاخیں بنوعبدالاشہل، بنوظفر، بنوحارثہ بنومعاویہ بھی وہیں مقیم تھے، واقم بنی الاشہل ہی کے علاقے میں تھا جس کے نام پر حرۂ واقم تھا۔[۲]

دینی حالت اور معاشرتی حیثیت

مدینہ کی عرب آبادی بیشتر معاملات میں قریش ہی کے تابع رہتی تھی، اور اہل مکہ قریش کو کعبہ کا متولی، دینی رہنما اور عقیدہ و عمل میں لائق تقلید مثال سمجھتے تھے، وہ جزیرۃ العرب میں پھیلی ہوئی بت پرستی کے تو تابع تھے ہی لیکن خاص طور پر انہی بتوں کو پوجتے تھے جنھیں قریش اور اہل حجاز پوجتے تھے، الا یہ کہ قبائل کی بعض علاقائی بتوں سے زیادہ وابستگی تھی، اس طرح مناۃ اہل مدینہ کا سب سے محبوب دیوتا بت تھا اور اوس و خزرج اس کو مقدس ترین سمجھتے تھے اور اسے خدا کا شریک ٹھہراتے تھے، یہ بت جبل قدید کے مقابل مشلل کے مقام پر واقع تھا، جو ساحل کی طرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، لات اہل طائف کا محبوب بت تھا، عزیٰ اہل مکہ کا قومی بت تھا، اس لیے ان شہروں کے لوگ اپنے ان بتوں سے جذباتی تعلق رکھتے تھے، اہل مدینہ میں سے جو کوئی لکڑی یا کسی چیز کا بت اپنے گھر میں رکھتا تو اسے مناۃ ہی کے نام سے پکارتا جیسا کہ بنی سلمہ کے ایک سردار عمرو بن الجموح نے اسلام لانے سے پہلے بنا رکھا تھا۔[۳]

۱ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب کا باب "شہر یثرب کی خصوصیات" ۲ منزل الوحی للدکتور محمد حسین ہیکل ۵۱۱
۳ ماخوذ از بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب از علامہ محمود شکری الآلوسی ۱/۳۴۶ - ۲/۲۰۸

امام احمدؒ نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الآیہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا "انصار اسلام لانے سے پہلے مناۃ کے نام پر تلبیہ پڑھتے تھے اور جس کی وہ مشلل کے پاس پوجا کرتے تھے اور اس کے نام پر حج شروع کرنے والا صفا و مروہ کا طواف صحیح نہیں سمجھتا تھا،[۱] جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ہم زمانہ جاہلیت میں صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الآیہ"

ہم مدینے میں کسی اور بت کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ لات و مناۃ یا عزیٰ و ہبل کی طرح مشہور رہا ہو اور لوگ اس کی عبادت کرتے اور اس کیلئے مدینہ کے باہر سے آتے ہوں، کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ میں بتوں کی کثرت نہ تھی، اس لیے کہ مکہ کے ہر گھر میں ایک خاص بت ہوتا تھا، مکہ میں بتوں کو لوگ پھیری میں لیکر نکلتے اور بیچتے تھے، بہرحال مکہ بت پرستی میں مقتدیٰ اور رہنما کی حیثیت رکھتا تھا، اور مدینے کی حیثیت ذیلی تھی۔

اہل مدینہ سال کے دو دنوں میں کھیل کود کا تیوہار مناتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لائے تو اہل مدینہ سے فرمایا "قد ابدلکم اللہ تعالیٰ بھما خیراً منھما یوم الفطر والاضحیٰ"[۲] (اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان دونوں سے بہتر دن عطا کیے ہیں یوم فطر اور عید الاضحیٰ) بعض شارحین حدیث نے ان دونوں کے متعلق بتایا ہے کہ وہ نوروز اور مہرجان کے دن تھے، جنھیں شاید ان لوگوں نے اہل ایران سے لیا تھا۔[۳]

۱ اس میں صحابہ سے اور کئی روایتیں بھی منقول ہیں ۲ صحیحین ۳ بلوغ الارب

اوس وخزرج کی شرافتِ نسب کا اعتراف قریش کو بھی تھا جو عرب عاربہ سے تعلق رکھنے والے بنو قحطان کی شاخ میں سے تھے، قریش ان سے شادی بیاہ کا تعلق بھی رکھتے تھے، چنانچہ سید قریش ہاشم بن عبد مناف نے بنی النجار میں شادی کی تھی، انکی شادی سلمہ بنت عمرو بن زید سے ہوئی تھی، جو بنی عدی بن النجار سے تھیں جو خزرج کی ایک شاخ ہے، اس کے باوجود قریش اپنے کو مدینہ کے عرب قبائل سے برتر سمجھتے تھے،

غزوۂ بدر کے دن جب عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اور ان کے مقابلے پر انصار کے کچھ نوجوان نکلے تو انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم انصار ہیں، تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تم سے مطلب نہیں، پھر ان میں سے ایک آدمی نے آواز دی کہ اے محمدؐ ہمارے مقابلے پر ہمارے ہم قوم اور ہمارے ہمسر افراد بھیجئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبیدہ بن الحارث! تم بڑھو، حمزہ تم بڑھو، علی تم کھڑے ہو، تو جب یہ لوگ ان کے قریب گئے اور اپنے نام بتائے تو قریش نے کہا کہ ہاں یہ شریف ہمارے جوڑ کے ہیں، [۱]

اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش کاشت کاری کو (جس کے اہل مدینہ اپنے علاقائی حالات کی وجہ سے عادی تھے) کسی قدر حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، اس کا اظہار ابوجہل کے اس جملے سے بھی ہوتا ہے جسے عفراء کے دو انصاری لڑکوں نے قتل کیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس نے جاں کنی کے عالم میں کہا لو غیر اکار قتلنی [۲] (کاش کاشت کار کے علاوہ کسی نے مجھے قتل کیا ہوتا)۔

---

۱ ابن ہشام ج ۱/ ۶۲۵ ۲ علامہ محمد طاہر پٹنی نے مجمع البحار میں اس کے معنی کسان اور کاشت کار کے دیے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ اہل عرب کے نزدیک کم درجہ کا پیشہ ہے، ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ عفراء کے لڑکے کسان ہیں، اسلیے اگر کسی اور نے قتل کیا ہوتا تو یہ عار نہ لگتا۔ ج ۱ ص ۶۸

اقتصادی اور تمدنی حالت

مدینہ اپنی زمین کی نوعیت کے لحاظ سے ایک زرعی علاقہ تھا، اس لیے اس کے باشندوں کا انحصار زراعت اور باغبانی ہی پر تھا، اس کی اہم پیداواروں میں کھجوریں اور انگور تھے، کیونکہ وہاں ان کے بہت سے باغ تھے، [۱] جن میں بہت سے ٹٹیوں والے اور بہت سے بے ٹٹی کے تھے، اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت دو تنے کے اور ایک تنے کے ہوتے تھے، [۲]

کھیتی میں مختلف غلے اور سبزیاں ہوتی تھیں، کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت لوگوں کی بیشتر غذائی ضرورت پوری کرتی تھیں، اور ضرورت کے وقت سکہ کی طرح ان سے بیع وشراء میں مدد لیجاتی تھی، اس طرح کھجور کے باغ اہل مدینہ کی زندگی میں بڑے خیر وبرکت کا سرمایہ تھے، ان سے وہ غذا بھی حاصل کرتے اور صنعت وتعمیرات اور ایندھن اور جانوروں کو کھلانے کے کام میں بھی لاتے تھے، [۳]

---

۱ بیرحاء کے بارے میں ابوطلحہؓ کی حدیث ملاحظہ کریں جسے شیخین نے روایت کیا ہے،

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے میں ایسے گھنے باغ بھی تھے کہ گوریا (کنجشک) جیسی چھوٹی چڑیا بھی گھس کر نکل نہیں پاتی تھی، ابوطلحہ انصاریؓ کے قصے میں ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ تنے میں ایک گوریا باغ سے باہر نکلنے کے لیے ادھر ادھر اڑنے لگی، چنانچہ اس عجیب منظر کو وہ کچھ دیر تک دیکھتے رہے، [۴] قصہ میں آگے ہے کہ اس غفلت کی وجہ سے انھوں نے اس باغ کو صدقہ کردیا (ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک)

۲ ملاحظہ ہو سورۃ الانعام ۱۴۱ اور الرعد ۴

۳ ملاحظہ ہو بخاری کتاب العلم (باب طرح الامام المسألة علی الناس لیختبر ما عندھم من العلم) اور اس کی شرح ابن حجر کی فتح الباری یا عینی کی عمدۃ القاری میں ملاحظہ ہو۔

مدینے کے کھجوروں کی بہت سی قسمیں تھیں جن کا احاطہ مشکل ہے[1]، اہل مدینہ کو طویل تجربے سے کھجوروں کی پیداوار کی افزائش اور عمدگی کے بہت سے طریقے معلوم تھے جن میں نر و مادہ کی تمیز اور ان کے زیروں کا استعمال بھی تھا جس کو "تابیر" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے[2]۔

باغبانی اور زراعت کا مطلب یہ نہیں کہ مدینہ میں کوئی تجارتی سرگرمی تھی ہی نہیں، البتہ مکہ کی طرح اس کی گرم بازاری نہ تھی۔ کیونکہ بے آب وگیاہ وادیٔ مکہ کے لوگوں کا انحصار قدرتی طور پر تجارت اور موسم سرما و گرما کے تجارتی سفروں پر تھا،

مدینے کی بعض صنعتیں یہودیوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں جنھیں شاید وہ یمن سے لائے تھے، بنی قینقاع کے لوگ عام طور پر سناری اور زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور یہود مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار تھے، ان کے گھر مال و دولت اور سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے[3]،

مدینہ کی زمین آتش فشاں علاقوں (حرات) کی موجودگی کی وجہ سے بہت زیادہ زرخیز واقع ہوئی ہے، جس کی وادیوں میں سیلاب کا پانی بھی خوب بہتا ہے، اور زمینوں کے ساتھ کھیتوں اور باغوں کو بھی سیراب اور شاداب کرتا جاتا ہے، ان میں سب سے مشہور وادیٔ عقیق تھی، جو مدینے کی تفریح گاہ تھی، اس میں پانی بافراط رہتا تھا، اور باغوں کی کثرت تھی، مدینے کی زمین کنویں کھودنے کے لیے بھی بہتر تھی، جن کا باغات میں عام رواج تھا،

---

[1] کھجور سے متعلق عربی میں الفاظ کا جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عربوں کی زندگی میں عموماً اور اہل مدینہ کی زندگی میں خصوصاً کھجور کو کیسی اہمیت و مرکزیت حاصل تھی، مثال کے طور پر ابن قتیبہ کی "ادب الکاتب"، ثعالبی کی 'فقہ اللغۃ' اور ابن سیدہ کی 'المخصص' ملاحظہ ہوں، بہت سے اہل علم نے کھجور پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ [2] تابیر کا مطلب مادہ کھجور کے خوشوں کو چیر کر نر کھجور کے زیرے ڈالنے کے ہیں (شرح مسلم للنووی)، [3] الیہود فی بلاد العرب ص ۱۳۸

باغات کے گرد چہار دیواری بھی ہوتی تھی، ایسے باغ کو اہل مدینہ حائط کہتے تھے[1]، اسی طرح مدینے کے بہت سے کنویں اپنے پانی کی فراوانی و شیرینی کے لیے مشہور تھے، وہاں نہریں اور رہٹ کا نظام بھی تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغوں تک پانی پہنچاتے تھے[2]،

غلوں میں اولیت جو اور پھر گیہوں کو حاصل تھی اور سبزیوں اور ترکاریوں کی بہتات تھی، کھیتی کے معاملات کی کئی قسمیں تھیں، مثلاً مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ، معاومۃ[3]۔ ان شکلوں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا اور بعض کو منع کر دیا یا اس کی اصلاح کر دی،

مکہ اور مدینہ میں جو سکے رائج تھے، وہ ایک ہی تھے، اور ہم ان کا تفصیل سے مکہ کے سلسلہ

---

[1] صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں کعبؓ بن مالک کی ابتلاء کا واقعہ دیکھئے جس میں آیا ہے کہ "جب مجھ پر لوگوں کی سختی اور بے اعتنائی بڑھ گئی تو میں حائط ابی قتادہ کی دیوار پر چڑھا جو میرا چچیرا بھائی تھا الخ"

[2] ابوہریرہؓ کی وہ حدیث پڑھیں جسے مسلم نے روایت کیا ہے، اور جس میں ایک باغ کے سیراب کرنے کا ذکر آیا ہے، اور اسی میں "شراج" (پانی کی نالیاں) اور "مسحاۃ" (پھاوڑے) سے آب رسانی کا بھی ذکر ہے [3] صحاح میں حرث و مزارعہ کے ابواب دیکھئے، مزابنہ درخت میں لگی ہوئی کھجوروں کو نقد کھجوروں سے بیچنے کو کہتے ہیں، محاقلہ خوشوں میں لگے ہوئے غلے کو نقد غلے یعنی جو کو جو کے بدلے اور گیہوں کو گیہوں کے بدلے تول کر لینے کو کہتے ہیں، مخابرۃ اور مزارعۃ کچھ یکساں ہیں، یہ زمین کی پیداوار کی تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کرنے کو کہتے ہیں، لیکن مزارعۃ میں بیج مالک کے ہوتے ہیں، اور مخابرۃ میں بیج کاشتکار کے، اہل لغت کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ وہ ایک ہی ہیں، مزارعۃ و مخابرہ کی صحت میں خلف و سلف کا اختلاف مشہور ہے، (ماخوذ از شرح مسلم للنووی) معاومۃ کئی سال کی فصلوں کو بیچ دینے کو کہا جاتا ہے، جیسے درخت کے پھل دو تین سال یا زیادہ کے لیے بیچ دیے جائیں۔

میں ذکر کرچکے ہیں[۱]۔ اہل مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کو ناپ تول کے پیمانوں سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا، کیونکہ وہاں کے باشندوں کا سرمایہ غلے اور پھل ہی تھے، مدینے میں استعمال ہونے والے پیمانے یہ تھے، مد، صاع، فرق، عرق، وسق[۲]۔ وزن کے لیے یہ چیزیں تھیں، درہم، شقاق، دانق، قیراط، نواۃ، رطل، قنطار اور اوقیہ[۳]۔

مدینہ اپنی زرخیزی کے باوجود غذائی طور پر خود کفیل نہ تھا، اس لیے وہاں کے باشندے باہر سے بھی غذائی اشیاء درآمد کرتے تھے، وہ میدہ کا آٹا، گھی اور شہد شام سے لاتے تھے، جیسا کہ ترمذی نے قتادہ بن نعمانؓ سے روایت کیا ہے، جس میں آیا ہے کہ مدینے کے لوگوں کی غذا کھجوریں اور جو تھے، اور جب آدمی خوشحال ہوتا تو جب شام سے ضافط[۴] (تاجر) میدہ[۵]

---

[۱] اسکا خلاصہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں بالعموم رومی اور ایرانی سکے چلتے تھے، ان میں بڑا سکہ دینار اور چھوٹا درہم کہلاتا تھا، علامہ محمود شکری الآلوسی (مصنف بلوغ الارب) کی تحقیق کے مطابق دراہم کی دو قسمیں تھیں:
(۱) بغلیہ (۲) طبریہ۔ بغلیہ پر جو سیاہ رنگ کا ہوتا تھا ایران کا نقش ہوتا تھا اور وہ آٹھ دوانیق کا ہوتا تھا، طبریہ کی نسبت شام کے مقام طبریہ کی طرف ہے، یہ رومی سکہ تھا اس کا وزن چار دوانیق کا ہوتا تھا، امام ماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں مزید تفصیل دی ہے، جہاں تک دنانیر کا تعلق ہے جو سب سے بڑا سکہ تھا اکثر علماء کا کہنا ہے کہ وہ صرف رومی سکہ تھا، ایران کے سکے کم قیمت اور ادنیٰ معدنیات کے ہوتے تھے، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "التراتیب الاداریۃ للعلامہ عبدالحی الکتانی" [۲] تفصیل کے لیے حدیث اور خلافیات کی کتابیں دیکھیں اور اوزان کے لیے دیکھیں التراتیب الاداریۃ ۱/۱۳-۴۱۵ [۴] ضافط کے متعلق علامہ محمد طاہر پٹنی کہتے ہیں: ضافط اور ضفاط اسے کہا جاتا تھا جو مال و اسباب شہروں تک پہنچاتا تھا، یہ نبطی قوم کے افراد ہوتے تھے، جو مدینے تک آٹا، تیل وغیرہ پہنچاتے تھے (مجمع البحار ۳/۱۰۰ طبع حیدرآباد) [۵] یہاں درمک کا لفظ آیا ہے جو سفید میدے کو کہتے ہیں، اس کا واحد درمکہ ہے۔

لیکر آتا تو اس سے اپنے لیے وہ چیزیں خرید لیتا لیکن اہل و عیال کھجوریں اور جو ہی کھاتے تھے[۱]، یہ قصہ مدینہ کی غذائی صورتِ حال اور معیار زندگی کے اختلاف پر کافی روشنی ڈالتا ہے، جو ہجرت کے بعد اچانک سامنے نہیں آگئی تھی۔

یہود جنگی فطرت اور تاریخ ہر جگہ یکساں رہی ہے، مدینے میں بھی عربوں سے زیادہ مالدار واقع ہوئے تھے، عرب اپنے بدوی اور قومی مزاج کی وجہ سے مستقبل کے بارے میں زیادہ سوچنے کے عادی نہ تھے کہ اس کے لیے مال جمع کرنے کی فکر کرتے، اس کے ساتھ ہی وہ مہمان نواز اور فیاض بھی تھے، اس وجہ سے یہود سے قرض لینے پر مجبور ہو جاتے تھے اور یہ قرض اکثر سودی یا رہنی ہوتا تھا،

اہل مدینہ کے پاس اونٹ، گائیں اور بکریاں بھی تھیں، اونٹ کو زمین کی سینچائی کے لیے بھی استعمال کرتے تھے، اور ایسے اونٹوں کو الابل النواضح کہتے تھے، ان کے پاس چراگاہیں بھی تھیں، جن میں مشہور "غابۃ" اور "غابۃ" تھیں، جہاں سے لوگ لکڑیاں بھی حاصل کرتے اور مویشیوں کو چراتے بھی تھے[۲]، گھوڑوں کو وہ جنگوں میں استعمال کرتے تھے، اگرچہ وہ مکے کی بہ نسبت کم تعداد میں پائے جاتے تھے، بنو سلیم گھوڑوں کے لیے مشہور تھے، جنھیں وہ باہر سے درآمد کرتے تھے۔

مدینے میں کئی بازار بھی تھے، جن میں سب سے اہم "سوق بنی قینقاع" تھا، جو سونے و چاندی کے زیورات و مصنوعات اور کپڑے والوں کا خاص بازار تھا، اس وقت مدینے میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین غالیچے اور منقش پردے[۳] عام طور پر موجود تھے، عطر فروش

---

[۱] ملاحظہ ہو آیت ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما کی تفسیر ترمذی میں [۲] یاقوت حموی کی معجم البلدان اور سمہودی کی وفاء الوفاء، ملاحظہ ہو [۳] حضرت عائشہؓ کی حدیث ملاحظہ ہو جسے شیخین نے روایت کیا ہے، اس میں قرام کا ذکر آیا ہے، قرام کے بارے میں علامہ پٹنی کہتے ہیں کہ وہ باریک پردہ یا کئی رنگوں کی اون کی چادر یا وہ پردہ ہوتا ہے جو حجلۂ عروسی میں لگتا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ مزین و منقش بھی ہوتا ہے (مجمع بحار الانوار ۴/۲۵۶)

مختلف قسم کے عطر اور مشک فروخت کرتے تھے۔ اسی طرح عنبر اور پارے[1] کے تاجر بھی پائے جاتے تھے، خرید و فروخت کی بہت سی قسموں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا، اور بعض کو روک دیا، جیسے نجش واحتکار، تلقی الرکبان، بیع المصراۃ (جانوروں کے تھن میں دودھ محفوظ کرکے بیچنا) بیع نسیئہ، بیع الحاضر للبادی، بیع المجازفۃ، بیع المزابنۃ اور مخاضرۃ[2]۔ اوس و خزرج کے کچھ لوگ بھی سودی کاروبار کرنے لگے تھے، مگر وہ یہود کی نسبت بہت ہی کم تھا،

مدینے کی تمدنی زندگی میں وہاں کے باشندوں کے مزاج و خوش مذاقی کے سبب خاصی ترقی ہو چلی تھی، چنانچہ دو منزلہ مکان بننے لگے تھے[3]،

بعض گھروں کے ساتھ پائیں باغ بھی تھے، وہ میٹھے پانی کے عادی تھے، جسے انھیں کبھی دور سے بھی لانا پڑتا تھا، بیٹھنے کے لیے کرسی کا استعمال بھی ہوتا تھا[4]، شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے استعمال میں آتے تھے، اور مختلف قسم کے چراغ استعمال ہوتے تھے[5]، گھر اور کھیت کے کاموں میں چھوٹی ٹوکریاں اور زنبیلیں کام میں لائی جاتی تھیں، مال داروں خصوصاً یہود کے گھروں میں خاصا فرنیچر پایا جاتا تھا، قسم قسم کے زیورات بھی استعمال ہوتے تھے، جیسے کنگن اور بازوبند، پازیب اور کڑے، کان کے بندے اور بالیاں، انگوٹھیاں اور سونے یا یمنی دانوں کے ہار وغیرہ[6]۔

عورتوں میں بننے اور کاتنے کا عام رواج تھا اور سلائی، رنگائی، معماری اور خشت سازی اور سنگ تراشی اُن صنعتوں میں تھیں جو ہجرت سے بہت پہلے ہی مدینے میں معروف تھیں۔

---

[1] التراتیب الاداریۃ ۱/۹۷ [2] کتب حدیث و فقہ کے ابواب بیع اور مجمع بحار الانوار ملاحظہ ہوں، جہاں ان لفظوں کی شرح اور ان کی حلت و حرمت کے احکام ملیں گے [3] ملاحظہ ہو حدیث ہجرت اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قیام فرمانے کا واقعہ [4] التراتیب الاداریۃ ۱/۹۷ [5] ایضاً ص ۱۰۴ [6] واقعۂ افک میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ملاحظہ ہو، جسے بخاری نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے، اس میں جزع کا لفظ ہے جو سیاہ سفید رنگ کے دانوں کو کہتے ہیں، ظفار یمن کا ایک شہر ہے۔

یثرب کا پیچیدہ اور ترقی یافتہ معاشرہ

اس طرح یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین نے مکے سے یثرب نام کے کسی گاؤں کی طرف سفر نہیں کیا تھا بلکہ وہ حضرات ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہوئے تھے، اگرچہ یہ دوسرا شہر پہلے شہر کے مقابلے میں زندگی کے بہت سے مظاہر میں مختلف تھا، اور نسبتہً مکے سے کچھ چھوٹا بھی تھا لیکن وہاں کی زندگی پیچیدگی میں مکے سے بڑھی ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والے مسائل مختلف نوعیت کے تھے، کیونکہ وہاں کئی مذاہب اور معاشرے اور ثقافتیں موجود تھیں جن پر قابو پانے اور مدینے کو ایک عقیدے اور ایک دین کے رنگ میں رنگنے کا کام مؤید من اللہ رسول ہی کر سکتا تھا، جسے اللہ نے حکمت و بصیرت اور قوت فیصلہ اور انسانیت کے بکھرے شیرازے کو جمع کرنے اور متحارب قوتوں اور نظریوں کو ہدایت اور تعمیر انسانیت کے کام میں ایک دوسرے کا مددگار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا، اور جسے ایک دلکش شخصیت عطا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کتنا صحیح کہا ہے کہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ	وہی ہے جس نے اپنی مدد اور مسلمانوں کے
وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ	ذریعہ آپ کی پشت پناہی کی اور ان کے
قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی	دل ملا دیے کہ اگر آپ دنیا کی ساری
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ	دولت بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے
بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ	دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے لیکن اللہ
اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ	ہی نے ان میں جوڑ اور اتفاق پیدا کر دیا
حَکِیْمٌ ۔ (الانفال-۶۲)	وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

یہود اور قرآن مجید

از

ضیاء الدین اصلاحی

(سلسلہ کے لیے معارف نومبر ۷۵ء ملاحظہ ہو)

خداوند قدوس نے یہود کو جہاں یہ سب نعمتیں بخشی تھیں، وہیں ان کو کچھ ذمہ داریوں اور فرائض کا مکلف بھی بنایا تھا اور یہ تاکید کر دی تھی کہ تم پر جو انعامات کیے گئے ہیں ان کا سلسلہ اُس وقت تک تمھارے اندر باقی رہے گا، جب تک تم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہو گے لیکن اگر تم نے ناشکری کا رویہ اختیار کیا، خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی، اس کے پیغمبروں کو جھٹلایا اور اس کی کتابوں کی تکذیب کی تو تم اسکی لعنت کے مستحق ہو گے اور تمھاری عزت و حشمت خاک میں مل جائے گی، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ	ان میں سے بارہ ۱۲ نقیب مامور کئے، اللہ نے
اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ	کہا بیشک میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ	قائم کرو گے، زکوٰۃ دیتے رہو گے، میرے رسولوں
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ	پر ایمان لاؤ گے، انکی مدد کرتے رہو گے اور اللہ
وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ	کو قرض حسن دیتے رہو گے تو میں تم سے تمھارے گناہ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ	دور کر دونگا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرونگا،

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ	جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، پس جو اسکے بعد
فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ	تم میں سے کفر کریگا تو وہ اصل شاہراہ سے
ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ (مائدہ - ۱۲)	بھٹک گیا،

آگے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر وہ خدا کی ہدایت و شریعت کو اختیار کر کے اس پر مضبوطی سے قائم رہے تو تمام مادی و روحانی برکتوں اور اخروی کامیابیوں کے مستحق ہوں گے،

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا	اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقوی
وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	اختیار کرتے تو ہم ان سے ان کے گناہ
وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ وَلَوْ	جھاڑ دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں
اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ	میں داخل کرتے اور اگر وہ توراۃ، انجیل
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا	اور اس چیز کو قائم کرتے جو انکی طرف
مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ	ان کے رب کی جانب سے اتاری گئی تو وہ اپنے
(مائدہ - ۶۵ - ۶۶)	اوپر سے اور اپنے قدموں کے نیچے سے خدا کا رزق پاتے،

لیکن اگر وہ خدا کی ہدایت سے روگردانی اختیار کریں گے تو ان کا کوئی وزن باقی نہیں رہے گا،

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰي	کہہ دو اے اہل کتاب تمھاری کوئی بنیاد
شَيْءٍ حَتّٰي تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ	نہیں جب تک تم توراۃ، انجیل اور اس چیز
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ	کو قائم نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب
(مائدہ - ۶۸)	کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

یہود کو جن ذمہ داریوں کا مکلف بنایا گیا تھا ان کی تفصیل قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں بیان ہوئی ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کے بیان میں امت مرحومہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے واسطے سے جو احکام و وصایا عطا کیے گئے تھے، بعینہ اسی طرح کے احکام حضرت موسیٰؑ کے واسطے سے کوہ طور کی معراج میں یہود کو بھی دیے گئے تھے، قرآن کے احکام در اصل توراۃ کے احکام کا نقش ثانی اور تتمہ ہیں[1]، یہ مثبت و منفی احکام حسب ذیل تھے،

(۱) توحید کا اقرار اور شرک سے اجتناب (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک (۳) رشتہ داروں اور دوسرے اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی (۴) اسراف و تبذیر کے بجائے اعتدال و میانہ روی کی تلقین (۵) اولاد کشی سے پرہیز (۶) زنا اور بدکاری سے اجتناب (۷) ناحق قتل و خوں ریزی کی ممانعت (۸) یتیموں کے ساتھ حسن سلوک (۹) ایفاء عہد (۱۰) ناپ تول میں کمی بیشی کی ممانعت (۱۱) نامعلوم بات کی ٹوہ میں نہ پڑنا (۱۲) کبر و غرور اور زمین پر اکڑنے کی ممانعت[2] (۱۳) حق و عدل کا شیوہ اختیار کرنا (۱۴) نماز و زکوۃ کا اہتمام (۱۵) اپنی قوم کے لوگوں کو جلاوطن نہ کرنا (۱۶) انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا، توراۃ و انجیل کی تعلیمات پر عمل کرنا اور قرآن و رسالت محمدی کو تسلیم کرنا (۱۶) آیاتِ الٰہی کو دنیا کے حقیر معاوضہ کی خاطر فروخت نہ کرنا (۱۷) کتمان حق اور حق و باطل کو گڈمڈ کرنے کی ممانعت۔

توراۃ کے احکام عشرہ حسب ذیل تھے،

(۱) خدا سے ڈر، اس کی جھوٹی قسم مت کھا اور شرک و بت پرستی سے بچ (۲) والدین کی عزت اور بزرگوں کا احترام کر، پردیسی کو نہ ستا اور پڑوسی کو نہ جھڑک، اس کے معاملہ میں عفو سے کام لے اور اس کے ساتھ محبت کا برتاؤ کر (۳) سبت (سنیچر کے دن کی حرمت

[1] تفصیل کے لیے سیرت النبی جلد سوم میں اسراء (معراج) کا بیان ملاحظہ ہو۔ [2] یہاں تک کے احکام سورہ بنی اسرائیل اور سورہ انعام میں بیان ہوئے ہیں آگے کے احکام بقرہ، مائدہ اور اعراف وغیرہ میں مذکور ہیں۔

قائم رکھ (۴) چغلخوری، چوری اور فریب دینے سے بچ (۵) نسل و حسب کو گڈمڈ نہ کر، زانی کو کوڑے مار، اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بدکاری نہ کرا (۶) پھلوں کی زکوۃ ادا کر اور پیداوار میں سے فقراء و مساکین کا حصہ نکال (۷) ناحق قتل و خونریزی نہ کر (۸) سحر و شعبدہ کو حرام سمجھ اور جادوگروں اور کاہنوں کی طرف مت مائل ہو (۹) سچی اور حق بات کہہ، فیصلہ میں انصاف کر، ناپ تول میں کمی نہ کر، مزدور کی اجرت دینے میں ٹال مٹول مت کر (۱۰) اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے پہلے پہلے کھا جا۔ (باب خروج ۲۹-۳۴)

مگر ان تمام احکام و ہدایات کی یہود نے مطلقاً پروا نہ کی، ان سب کے بارہ میں ان کے رویہ کا طوالت کے خوف سے جائزہ لینا ممکن نہیں، تاہم بعض بنیادی امور کے سلسلہ میں انکے عبرتناک طرز عمل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہود کی شرک و بت پرستی

یہود کو سب سے مقدم اور بنیادی حکم توحید اور خدا پرستی کا دیا گیا تھا، اور شرک و بت پرستی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی، مگر وہ مصریوں کی شرک و بت پرستی سے اس قدر مانوس اور خود ایسی ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا تھے کہ فرعون کے مظالم سے چھٹکارا پانے اور خدا کی قدرت و جلال کے حیرت انگیز واقعہ کا مشاہدہ کرنے کے فوراً بعد ہی بت پرستی کی تمنا اور حضرت موسیٰؑ سے اپنے لیے دیوی دیوتا مقرر کرنے کا مطالبہ کرنے لگے، حضرت موسیٰؑ ان کے اس نامعقول مطالبے اور ایسی بیہودہ خواہش پر سخت برہم ہوئے، اور فرمایا کہ نادانو! خدا نے تو تم پر عظیم الشان انعامات کیے اور تم خود اس کی کارفرمائی اور کرشمہ سازی کے حیرت انگیز واقعات کا اپنی آنکھوں سے بار بار مشاہدہ کر چکے ہو مگر اسکے باوجود تم شرک سے اپنی وابستگی باقی رکھنا چاہتے ہو اور ایسی حماقت کی باتیں کرتے ہو:

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا تو

فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ
أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل
لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ
إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ، إِنَّ هَٰؤُلَاءِ
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا
يَعْمَلُونَ، قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ
إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ

ان کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو
اپنے کچھ بتوں کی پرستش کر رہی تھی، انھوں نے
کہا اے موسیٰ جس طرح انکے دیوتا ہیں
اسی طرح کا ایک دیوتا ہمارے لیے بھی
بنا دو، اس نے کہا تم بڑے ہی جاہل
لوگ ہو، ان لوگوں کا یہ سب کچھ جس میں
لگے ہوئے ہیں برباد اور جو کچھ کر رہے ہیں
نیست و نابود ہو جانے والا ہے، اس نے
کہا کیا میں تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی اور معبود
ڈھونڈوں حالانکہ اس نے تم کو دنیا والوں پر فضیلت بخشی ہے

(اعراف ۱۳۸-۱۴۰)

یہ تو محض انکی تمنائے شرک و بت پرستی کا ذکر تھا، جس پر حضرت موسیٰؑ نے ایسی سخت سرزنش کی لیکن اس کے باوجود وہ اپنی اصلاح نہ کر سکے بلکہ جب حضرت موسیٰؑ خدا سے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت و شریعت طلب کرنے کے لیے طور پر گئے تو ان کی عدم موجودگی میں انکے جانشین حضرت ہارونؑ کی سخت دار و گیر کے باوجود وہ عملاً بت پرستی کا ارتکاب کر بیٹھے اور اپنے ہی زیوروں سے بچھڑے کی ایک مورت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ
مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ
خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ
وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ

اور موسیٰ کی قوم نے اسکے پیچھے اپنے زیوروں
سے ایک بچھڑا بنایا یعنی ایک دھڑ جس سے
بھاں بھاں کی آواز ہوتی تھی، کیا انھوں نے غور
نہ کیا کہ نہ وہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ انکو

وَكَانُوا ظَالِمِينَ (اعراف ۱۴۸)

کوئی راہ دکھاتا ہے اسکو انھوں نے دیوتا
بنایا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔

توراۃ کی کتاب خروج کے باب (۳۲) میں بھی ان کے گوسالہ پرستی کی لعنت میں پڑ جانے کا ذکر ہے، لیکن توراۃ کے مرتبین نے بنی اسرائیل کے جرم کو ہلکا کرنے کے لیے یہ سارا کاروبار حضرت ہارونؑ کی جانب منسوب کر دیا ہے، مگر قرآن مجید نے سورہ طٰہٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ سارا ڈھونگ بنی اسرائیل کے ایک بڑے مفسد اور شاطر شخص سامری نے رچایا تھا، جو مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف ہونے کی بنا پر بتوں کی صنعت گری کو اچھی طرح جانتا تھا، اس لیے اس نے اپنی مہارت سے بڑی آسانی سے ایک ایسے بچھڑے کی مورت بنا دی جس میں ہوا کے جاتے ہی بھاں بھاں کی آواز آنے لگتی تھی، بنی اسرائیل کو اپنی سادہ لوحی اور بت پرستانہ ذہنیت کی وجہ سے سامری کا بنایا ہوا یہ بچھڑا ایسا اچھا لگا کہ انھوں نے اسکی پرستش شروع کر دی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود شرک و بت پرستی کی لعنت سے اپنے کو اس زمانہ میں بھی محفوظ نہیں رکھ سکے تھے جب خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰؑ ان کے اندر موجود تھے، اور انھوں نے خدا کی قدرت و کارسازی کے نہایت عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کیا تھا، حضرت موسیٰ کے بعد بھی ان کی یہ عادت نہیں بدلی، اور خدائی احکام سے روگردانی، انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی اور شرک سے دلچسپی کا سلسلہ جاری رہا، قرآن مجید نے انکے کئی مشرکانہ اعمال و عقائد کا ذکر کر کے دکھایا ہے کہ وہ ایمان کی راہ ہدایت اور توحید کی صراط مستقیم سے منحرف ہو کر کفر و شرک کی گمراہیوں میں پڑ گئے تھے۔

یہود زبان سے ضرور اللہ پر ایمان اور توحید کے اقرار کے مدعی تھے، لیکن ان کے عقیدہ و عمل سے اسکی کوئی تائید نہیں ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہا کہ سب سے پہلے تم ان کو اس مرکزی نقطہ کی دعوت دو جو تمہارے اور اہل کتاب کے درمیان مشترک ہے،

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ
كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا
نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ
(آل عمران ۶۴)

کہہ دو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ
جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے،
یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں،
اور نہ اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں اور
نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا
رب ٹھہرائے، اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں
تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے نزدیک بھی یہ امر مسلّم تھا کہ اللہ کے سوا نہ کسی کی بندگی کیجائے اور نہ کسی کو اس کا ساجھی اور شریک بنایا جائے مگر اس کے باوجود انکا عمل اس کے خلاف تھا، اس لیے قرآن نے ان کو یہ تناقض دور کرنے، توحید خالص کا علمبردار بنجانے اور شرک و کفر سے بیزاری اختیار کرنے کی تلقین کی تھی، مگر انھوں نے اسکی اس مخلصانہ دعوت کی قدر نہیں کی اور شرک و بت پرستی کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان و یقین کی بصیرت میں آنا پسند نہیں کیا، اسی لیے قرآن سرے سے یہود کے ایمان کی نفی کرتا اور ان کو کفار و مشرکین کی صف میں شامل کرتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ میں عرب کے کفار و مشرکین کی طرح ان سے بھی ترک موالات اور جہاد کا حکم ان لفظوں میں دیا گیا ہے،

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ
مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ

ان اہل کتاب سے قتال کرو جو آخرت کے
دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس چیز کو
حرام ٹھہراتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے

دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ
صَاغِرُونَ (توبہ - ۲۹)

نے حرام قرار دیا ہے اور نہ دین حق کو اختیار
کرتے ہیں، یہانتک کہ وہ ذلیل وخوار
ہو کر جزیہ دینے لگیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رہا تھا، کیونکہ وہ دین حق سے روگرداں اور احکام الٰہی سے منحرف ہو گئے تھے، انھوں نے تشریع اور قانون سازی کے اختیارات خدا کے بجائے دوسروں کو دے رکھے تھے، جس کو چاہتے حلال وحرام قرار دے لیتے تھے،

قرآن کی دوسری آیتوں میں بھی ان کے ایمان کی نفی کی گئی ہے، اور ان کو کفر و شرک میں ملوث بتایا گیا ہے. چنانچہ سورۂ بقرہ میں یہود کے اخفا اور کتمان حق کی بعض صورتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا :-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ
كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بقرہ ۱۶۱)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر ہی
کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں
کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے،

سورۂ مائدہ میں ہے کہ :-

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي
إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ
وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (مائدہ ۷۸)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر
کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم
کی زبان سے لعنت ہوئی۔

سورۂ نساء میں یہود اور منافقین کے ایمان کی نفی کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ

کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو

أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ
أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ
وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ
وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ
ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء - ۶۰)

کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے جو تم پر اور تم سے پہلے اتاری گئی ہے، لیکن چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا تصفیہ طاغوت سے کرائیں، حالانکہ انھیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے، اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں نہایت دور کی گمراہی میں کر دے۔

جن لوگوں کا حال یہ ہو ان کے صراط مستقیم سے منحرف ہو کر معبودان باطل کی پرستش اور شرک کی آلودگی میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے، آگے ان کے مزید مشرکانہ عقائد و اعمال کی تفصیل پیش کیجاتی ہے،

حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا لینا یہود کے کفر و عدم ایمان کے ضمن میں سورہ توبہ کی جو آیت اوپر نقل کی گئی ہے اس کے بعد ہی اس کے ثبوت میں پہلی چیز یہ بیان کی گئی ہے کہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ
وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ
ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ
قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ
قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ
(توبہ ۳۰)

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اس کے بیٹے ہیں یہ ان لوگوں کی وہ من گھڑت باتیں ہیں جو ان لوگوں کی بات کے مانند ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا، اللہ ان لوگوں کو غارت کرے، یہ کہاں بھٹکتے ہیں۔

گو یہ تمام یہودیوں کا عقیدہ نہیں تھا، تاہم ان کی ایک جماعت ضرور اسکی قائل تھی۔ اور اب تک ان کے ایک فرقہ کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے، اسی لیے یہود جو قرآن کی ہر بات میں

مین میکھ نکالا کرتے تھے۔ اس کے اس الزام پر خاموش رہے اور تردید کی جرأت نہیں ہوئی۔ حضرت عزیرؑ کو اس قدر غیر معمولی اہمیت اس بنا پر حاصل ہو گئی تھی کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو تباہ کر کے یہود کو بابل میں قید میں ڈال دیا تو اس زمانے میں توراۃ کے تمام نسخے بھی جل کر خاک ہو گئے، ایک عرصہ کے بعد جب یہود قید بابل سے رہا ہوئے اور یروشلم واپس لوٹے تو حضرت عزیرؑ نے اپنی یادداشت سے توراۃ کو از سر نو لکھا، اس کے بعد سے انہی کے مرتب کیے ہوئے نسخہ کو اصل توراۃ کا بدل سمجھا جانے لگا۔ اس خدمت اور کتاب و شریعت کی تجدید کے نتیجہ میں یہود کے نزدیک حضرت عزیرؑ کا مرتبہ بہت بڑھ گیا اور بعض لوگ ان کو حضرت موسیٰؑ کے برابر سمجھنے لگے، آگے چل کر انکے بارہ میں اس قدر غلو کیا گیا کہ وہ خدا کے بیٹے سمجھے جانے لگے، یہ اسی طرح کا شرک تھا جس طرح کے شرک میں نصاریٰ مبتلا تھے،

اللہ کے سوا دوسروں کو رب بنانا یہود کا دوسرا شرک یہ بیان کیا گیا ہے کہ

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ
ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا
إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ
سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (توبہ - ۳۱)

انھوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے بجائے رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے اس شرک کا ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے فقہاء و علماء اور مشائخ و پیشوایان دین کو وہ درجہ اور اختیار دے رکھا تھا جو خدا کے لیے مخصوص ہے، چنانچہ تشریع و قانون سازی اور تحلیل و تحریم وغیرہ جو اللہ کا مخصوص حق تھا اس میں انھوں نے

علماء ومشائخ کو شریک اور ساجھی بنا لیا تھا، اس آیت کے متعلق حدیث میں حضرت عدیؓ بن حاتم کا جو پہلے خود عیسائی تھے، یہ سوال منقول ہے کہ اے اللہ کے رسول یہود ونصاریٰ اپنے علماء وصوفیہ کو رب تو نہیں مانتے تھے، رسولﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "جن چیزوں کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے، یہ لوگ جب ان کو حرام ٹھہرا دیتے ہیں تو کیا تم لوگ بھی ان کو حرام نہیں سمجھنے لگتے ہو اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان کو جب یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں تو کیا تم لوگ بھی ان کو حلال نہیں کر لیتے ہو" تو حضرت عدیؓ نے کہا ہاں یہ بات تو ہے، آپؐ نے فرمایا:

فَتِلْكَ عِبَادَتُهُم	سو یہی ان کی عبادت ہے،

حضرت عدیؓ بن حاتم کو یہ شبہہ تھا کہ جب تک کسی کو رب کہا اور سمجھا نہ جائے اور اس کی رسماً پرستش نہ کیجائے اُس وقت تک وہ معبود اور رب نہیں ہوتا، رسول اللہﷺ نے انکے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ اگر وہ حقوق واختیارات جو اللہ کو حاصل ہیں کسی اور کو دیدیئے جائیں تو چاہے اس کو زبان سے خدا نہ کہا جائے اور اس کی رسماً پرستش بھی نہ کی جائے پھر بھی یہ اس کو خدا بنا لینا ہوا جو شرک ہے، قرآن نے یہود کی تحلیل وتحریم اور آیاتِ الٰہی سے روگردانی کے جو واقعات بیان کیے ہیں، ان سے انکے اس طرزِ عمل کا پورا ثبوت ملتا ہے۔

ایمان بالجبت والطاغوت یہود کے بعض مشرکانہ اعمال وحرکات کا اس آیت میں بھی ذکر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا	کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب الٰہی
مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ	کا ایک حصہ عطا کیا گیا تھا، یہ لوگ جبت
وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ	وطاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کافروں
كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ	کو ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ

اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (نساء-۵۱)	بتاتے ہیں۔

اس سے پہلے کی آیتوں میں اللہ نے یہود کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہ لائے تو ان کو ویسی ہی سخت سزائیں دیجائیں گی جو روز سبت کی حرمت وتقدیس کو پامال کرنے والے یہود کو دی جا چکی ہے یعنی ان پر خدا کی لعنت ہوگی اور ان کے چہرے مسخ کر دیے جائیں گے، کیونکہ یہ لوگ شرک وکفر میں مبتلا ہو کر قرآن کی تعلیم ہی نہیں بلکہ دین کی اصل واساس کو منہدم کر رہے ہیں، دوسرے گناہ اللہ چاہے گا تو معاف کر دے گا مگر شرک کے بارہ میں تصریح فرما دی ہے کہ اس کو کسی حال میں نہ بخشا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ	بیشک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ
وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ	اسکے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اسکے
یَّشَآءُ (نساء ۴۸)	علاوہ (دوسری معصیتوں) کو جس کیلئے چاہیگا معاف کر دیگا[1]

پھر مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ ذرا دیکھو تو سہی کہ ایک طرف تو یہ لوگ اپنی پاکبازی اور برتری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، اپنے کو سب سے مقدس اور برگزیدہ گروہ خیال کرتے ہیں، اپنے حسب ونسب پر اتراتے ہیں، اپنے کو پیغمبروں کی اولاد اور اللہ کا چہیتا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین تو ہمارا ہی دین ہے، اور ہدایت یافتہ صرف ہم ہی لوگ ہیں، اس غرور اور گھمنڈ میں پڑ کر وہ ایمان وعمل کی ذمہ داریوں سے سبکدوش اور آخرت کی بازپرس سے غافل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

---

[1] اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ ضرور معاف کر دیگا اگر ایسا ہوتا تو صرف یغفر ما دون ذلک ہی کہا گیا ہوتا اور لمن یشاء کی قید نہ لگائی جاتی، اس قید کے بعد آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کو کسی بھی گناہ کے معاملہ میں ڈھیٹ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہر گناہ کی معافی اور مغفرت کا معاملہ اللہ کی مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔

اول تو ہم پر عذاب ہوگا ہی نہیں اور کچھ ہوا بھی تو بس چند دنوں کے لیے، مگر دوسری طرف انکی پستی کا یہ حال ہے کہ جبت وطاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں، توحید اور دین حق کے علمبرداروں کے مقابلہ میں کفار ومشرکین کو بہتر اور ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔

جبت سے وہ اعمال سفلیہ مراد ہیں جن کا تعلق ارواح خبیثہ اور شیطانی قوتوں سے ہوتا ہے، جیسے سحر وشعبدہ، ٹونا ٹوٹکا، رمل، جفر، شگون وفال گیری، نجوم، آگ پر چلنا، ہاتھ کی لکیروں کا علم اور وہ سب لغویتیں جو اوہام وخرافات اور مشرکانہ اعمال پر مبنی ہیں، اور ان کی کوئی دینی حقیقت اور شرعی اصل واساس نہیں ہے، دوسرے لفظ طاغوت کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جو بندگی اور عبودیت کے حدود سے نکل جانے کا باعث اور موجب بنیں، اس طرح اللہ کے سوا جن چیزوں کو بھی معبود بنا لیا جائے، اُن سب کو طاغوت کہا جائے گا، جیسا کہ اس سورہ کی آیت ۶۰ میں جو پہلے نقل کیجا چکی ہے، اس کا ذکر آیا ہے، لیکن یہاں یہ لفظ جبت (سفلیات اور شیطانی اعمال) کے ساتھ استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے خاص طور پر شیطان مراد ہوگا،

یہود کے اعمال سفلی اور ٹونے ٹوٹکوں کا ذکر سورۂ بقرہ میں بھی ہوا ہے کہ وہ سحر وشیطانی کرتبوں کے اس طرح پیچھے لگ گئے ہیں کہ اللہ کی کتاب پس پشت ڈال دی ہے، اپنے ان اعمال کو تقدس کا رنگ دینے کے لیے انھیں حضرت سلیمانؑ کی جانب منسوب کرتے تھے، اسی طرح تعویذ، گنڈے اور ان علوم کو بھی اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا، جو فرشتوں پر اتارے گئے تھے، ملاحظہ ہو:-

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ	اور وہ ان چیزوں میں پڑ گئے جو سلیمان کے
عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ	عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے، حالانکہ
وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ	سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا، بلکہ شیطانوں ہی

النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى	نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے،
الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ	اور وہ اس چیز میں بھی پڑ گئے جو بابل میں دو
وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا	فرشتوں ہاروت وماروت پر اتاری گئی تھی.
إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ	حالانکہ یہ دونوں کسی کو اپنا علم اس وقت تک
(بقرہ - ۱۰۲)	نہیں سکھاتے تھے جب تک اسے یہ نہ کہہ دیتے
	کہ ہم آزمائش کیلئے ہیں سو تم کفر نہ اختیار کرنا،

توراۃ میں صدہا تحریفیں ہو چکی ہیں مگر اس محرف حالت میں آج بھی اس کے اندر قرآن مجید کے بیان کی تائید ملتی ہے، ملاحظہ ہو سلاطین کی دوسری کتاب کا سترھواں باب:

"..... بلکہ انھوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ دلایا، کیونکہ انھوں نے بت پوجے باوجودیکہ خداوند نے انھیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو..... اور باطلوں کو اختیار کیا اور بیہودہ ہوئے اور ان امتوں کے پیرو ہو گئے جو ان کے گرد و پیش تھیں، جنھیں دکھا کے خداوند نے انھیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو اور انھوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کئے، اور اپنے لیے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے اور یسیرت تیار کی اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش اور بعل کی عبادت کی اور انھوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گیری اور جادوگری کی اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اسے غصہ دلائیں، ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نہایت غصے ہوا اور اپنی نظر سے انھیں گرا کے دور کر دیا....."

سورۂ نساء میں یہود کے کفر و شرک کا ایک ثبوت یہ بھی بیان ہوا ہے کہ توحید وحق پرستی کی دعوت کے مقابلہ میں وہ کفار قریش اور مشرکین مکہ کا ساتھ دیتے تھے، اس کفر و شرک دوستی

کے بعد خدا پرستی اور توحید سے انکا رشتہ اور تعلق کیسے باقی رہ سکتا تھا۔

خدا کی تنقیص اور اس کے بارہ میں تفریط

اس کو بھی یہود کے شرک ہی کا نتیجہ سمجھا جائیگا کہ وہ خدا کو پاک، منزہ اور برتر سمجھنے کے بجائے عیوب و نقائص کا مجموعہ سمجھنے لگے تھے۔ ان کا ایک گروہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، نصاریٰ کی طرح افراط و غلو میں مبتلا ہو کر خدا کے بندوں اور رسولوں کو اس کا بیٹا اور الٰہ سمجھتا تھا، لیکن عام یہودیوں نے خدا کے بارہ میں تفریط سے کام لیا ہے اور اس کی اعلیٰ و ارفع ذات کو اس قدر فروتر کر دیا ہے کہ وہ نقائص و عیوب کا مجموعہ بن گیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ مسلمانوں کے اعتدال و میانہ روی پر قائم رہنے اور یہود و نصاریٰ کے افراط و تفریط میں پڑ جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مسلمانوں نے یہود کی طرح اللہ تعالیٰ کو عیوب و نقائص اور مخلوق کے اوصاف سے متصف نہیں کیا، وہ یہود کی طرح خدا کو فقر، بخل، عجز و کسل سے متصف نہیں سمجھتے اور نہ نصاریٰ کی طرح مخلوق کو خالق کا درجہ دیتے اور اس کے اوصاف سے متصف بتاتے ہیں۔" (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ج ۱ ص ۸)

دوسری جگہ مزید وضاحت سے لکھتے ہیں:-

"یہود اللہ کی صفات کے بارہ میں تفریط میں مبتلا ہوگئے تھے، چنانچہ اس کو مخلوق کے نقائص سے ملوث سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم لوگ غنی ہیں، اس کے ہاتھ بندھے ہیں اور وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے بعد تھک گیا، اس لیے سنیچر کے دن اس نے آرام کیا۔" (ایضاً) ص ۱۲

قرآن مجید نے خدا کی شان میں ان کی ان ناروا گستاخیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:-

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ (آل عمران - ۱۸۱)

اللہ نے ان لوگوں کی بات سن رکھی ہے جنھوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ (المائدہ - ۶۴)

اور یہود نے کہا کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ ان کے بندھ جائیں اور انکی اس بات کے سبب سے ان پر لعنت ہو بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اسکے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔

دونوں آیتوں میں یہود کے طنز و تمسخر کا ذکر ہے، جنگ و جہاد کے موقع پر جب مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دیجاتی اور ان سے کہا جاتا تھا کہ

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (بقرہ ۲۴۵)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے

تو یہود و منافقین تحقیر و تمسخر کے ساتھ یہ گستاخانہ باتیں کہتے تھے، ان کی ان ناروا باتوں پر سخت زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ فقر و احتیاج تو بندوں اور مخلوقات کے اوصاف ہیں، خدا کی شان ان سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔

تخلیق عالم کے باب میں بھی وہ اسی طرح کی ناروا باتیں کہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور ساتویں دن سنیچر کو اس نے آرام کیا، اسی لیے یہود اس دن چھٹی مناتے تھے، قرآن مجید نے ان کے اس خیال کی تردید کر کے بتایا کہ "تکان اور سستی تو بندوں کو لاحق ہوتی ہے، خدا کی ذات ان نقائص و عیوب سے یکسر پاک ہے، اسی لیے عموماً وہ جب آسمان و زمین کی خلقت کا ذکر کرتا ہے تو یہود کے اس زعم باطل کی تردید بھی کرتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ	بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین
الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ	اور ان کے درمیان کی چیزوں
سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا	کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہم
مِنْ لُّغُوْبٍ (ق - ۳۸)	کو کوئی تعب لاحق نہیں ہوا۔

قرآن مجید نے خدا کی شان میں یہود کی ان ہی کوتاہیوں اور گستاخیوں کی بنا پر ان کے متعلق کہا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ	اور انھوں نے اللہ کی جیسی قدر
(انعام - ۹۱)	کرنی چاہیے تھی نہیں کی۔

(باقی)

مقالات سلیمان (مذہبی)

جلد سوم

یہ سید صاحب علیہ الرحمہ کے زیادہ تر قرآنی مقالات پر مشتمل ہے، ان میں قرآن پاک کے احکام کے حکم و مصالح کی توضیح و تشریح ہے۔ غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب ہے، اور سید صاحب کے دور کے خود ساختہ مجتہدین کے مجتہدات کی تصحیح ہے، ساتھ ہی بعض جدید نظریات اور قرآن مجید کے بیانات میں تطبیق کی کوشش کی گئی ہے، ان کے علاوہ کچھ غیر قرآنی مقالات بھی ہیں مثلاً پیغام امن یعنی محبت الٰہی اور مذہب اسلام، قرآن اور فلسفہ جدیدہ، ایام صیام پر نظر ثانی وغیرہ۔ یہ تمام مضامین اگرچہ سید صاحب کے ابتدائی دور کے ہیں، تاہم قرآن و تفسیر قرآن کے اساتذہ و طلبہ کے مطالعہ کے لائق بہت ہی محققانہ اور پُر از معلومات ہیں۔ قیمت :- ۱۴-۰-۰

منیجر

صبح الاعشیٰ

از محمد نعیم صدیقی ندوی ایم۔ اے (علیگ)

(۳)

فن کتابت کے علمی امور سے سکریٹری کی واقفیت

کاتب (سکریٹری) کو فن خطاطی اور تحریر و کتابت کے نوک پلک دقائق و اصول اور اس کے جملہ امور و کیفیات سے پوری طرح واقف ہونا بہت ضروری ہے، قلقشندی نے اس موضوع کے ساتھ خصوصی اعتنا کرتے ہوئے صبح الاعشیٰ کے تقریباً تین سو صفحات میں اس پر بہت وضاحت کیساتھ روشنی ڈالی ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں طباعت و پریس کی جدید سہولتیں میسر نہیں ہوئی تھیں، اور کتب و رسائل وغیرہ کے سلسلہ میں کمال خطاطی ہی پر تمام تر دار و مدار تھا، اس لیے کاتب انشا کے لیے اس فن کے تمام ضوابط و قواعد، اس میں استعمال ہونے والی چیزوں اور خط کی تمام شکلوں اور ہیئتوں کی کامل معرفت لازمی خیال کیجاتی تھی، چنانچہ قلقشندی نے اس سلسلہ میں عربی خط کی تاریخ، حسن تحریر، اشکال حروف، قلم رکھنے کی ہیئت، دفتر انشا میں استعمال کیے جانے والے قلم، دوات و روشنائی، کاغذ کے اقسام اور حروف مفردہ و مرکبہ وغیرہ کو بکثرت اقوال و امثال اور کتب لغت و مصطلحات سے واضح کیا اور ساتھ ہی تمام حروف اور اقسام خط کی شکلیں بھی درج کی ہیں، ممکن ہے کہ عصر جدید میں جبکہ مطابع کی کثرت سے فن خطاطی کی باریکیوں اور حسن کتابت

کی اہمیت اور اس سے دلچسپی بہت کم ہو گئی ہے، مؤلف کی اس کاوش کو سعی نا محمود قرار دیا جائے، لیکن آٹھویں صدی ہجری میں سرکاری دفاتر انشا کے تمام چھوٹے بڑے کام تحریری ہی طور پر انجام پاتے تھے، اس لیے کوئی کاتب اس فن کے دقائق کی معرفت ومہارت کے بغیر اپنے فرائض سے حسن وخوبی کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا۔

قلقشندی لکھتا ہے کہ اگر کاتب خوش نویس اور پاکیزہ خط کا حامل ہے تو اس سے عوام وخواص کی نگاہوں میں اس کے مرتبہ اور شان کی بلندی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، تحریر کو جسم میں روح کی حیثیت حاصل ہے، اگر کوئی شخص وجیہ، شاندار، خوبرو اور خوش ہیئت ہے تو وہ لازمی طور پر لوگوں کی نگاہوں کا مرجع بن جاتا ہے، اسکی گفتگو توجہ سے سنی جاتی ہے۔ اور اس کے برعکس صفات کے حامل شخص سے نہ صرف کامل بے اعتنائی برتی جاتی ہے بلکہ لوگ اس کی باتوں سے اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں، بعینہ یہی معاملہ شان خط کا بھی ہے، اگر وہ دیدہ زیب، واضح، روشن، پاکیزہ اور نفیس ہوتا ہے تو روح انسانی فرحت وانبساط سے معمور جاتی ہے اور انسان ایسی تحریر کو خواہ مخواہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، چاہے معنوی حیثیت سے وہ تحریر کتنے ہی معمولی موضوع سے متعلق ہو اور اگر خط نہایت گنجلک، کٹا پٹا اور ٹیڑھا ترچھا ہو تو قاری بیک نظر اس سے نفرت ووحشت محسوس کرتا ہے، ایسی تحریر میں خواہ بصیرت وعبرت کے موتی ہی کیوں نہ رولے گئے ہوں اس کو پڑھنا کوئی گوارا نہیں کرتا، اس لیے ایک باکمال کاتب انشاء (سکریٹری) کو خوش خطی اور پاکیزہ نویسی کو اپنے پیشہ کی کامیابی کا ایک اہم ستون اور بنیادی کنجی خیال کرنا چاہئے۔ (۲۵/۳)

فن خطاطی پر بحث کے سلسلہ میں قلقشندی نے محمد بن عمر المدائنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

کوئی تحریر لکھتے وقت درمیان میں اگر کسی بات پر غور کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو قلم کو کان کے اوپر رکھ لینا چاہئے، پھر اس کی تائید میں مؤلف نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ کی متعدد روایات بھی نقل کی ہیں، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق ایک بار امیر معاویہؓ بارگاہ نبوی میں حاضر تھے، آپ ان کو کوئی خط املا کرا رہے تھے، درمیان میں حضرت معاویہؓ نے حضورؐ کو کچھ سوچتے دیکھا تو قلم کے سرے کو منہ سے لگا لیا، آپ کی نگاہ پڑی تو ارشاد فرمایا:-

یا معاویہ اذا کنت کاتبا	اے معاویہ جب تم کچھ لکھ رہے ہو تو قلم کو اپنے
فضع القلم علی اذنك فانه	کان پر رکھ لو۔ بلاشبہ اس سے لکھنے والے
اذکر لك وللملی	اور املا کرانے والے دونوں کی یادداشت
	میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسی طرح کے ایک دوسرے موقع پر آپ نے امیر معاویہؓ سے فرمایا

یا معاویة اذا کتبت کتابا فضع	اے ابو معاویہ جب تم کوئی تحریر لکھ رہے ہو
القلم علی أذنك (۴۳/۳)	تو قلم کو اپنے کان پر رکھ لو۔

کاتب کی جغرافیائی اور تاریخی معلومات

قلقشندی نے کاتب (سکریٹری) کی جغرافیائی اور تاریخی معلومات کے سلسلہ میں جو طویل بحث کی ہے وہ صبح الاعشیٰ کی تیسری جلد سے شروع ہو کر پانچویں جلد کے کچھ حصے تک پھیلی ہوئی ہے، بارہ سو (۱۲۰۰) سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، یہاں مؤلف ایک ماہر جغرافیہ داں اور باکمال مورخ کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، اس نے کرۂ ارض کی جملہ تفصیلات، تمام سمندروں کے طول، عرض اور عمق کے بیان اور مختلف اقالیم کی ہیئتی پیمائشوں سے اس باب کا آغاز کیا ہے، پھر قدیم

کتب تواریخ کے معروف نہج پر خلفائے راشدین سے لیکر مصر کے فاطمی حکمرانوں تک عہد بعہد نظام حکومت کی تاریخ، فتح اسلامی سے لیکر مؤلف کے زمانے تک کے مصر کے تاریخی حالات اور اسکے بعد حجاز، شام، ایران، بحرین، یمامہ، ہند وسند، سوڈان، تونس، مراکش اور روم وغیرہ تمام ممالک اقطار کے بارے میں بیش قیمت جغرافیائی، تاریخی، تمدنی اور سیاسی معلومات کا انبار لگا دیا ہے۔

دنیا کے کسی بھی شہر کے باشندے کو اگر اپنے ہاں سے دوسرے شہر کی سمت معلوم کرنا ہو تو قلقشندی نے اہرین ہیئت کے حوالے سے اس کے دو طریقے تحریر کیے ہیں۔

۱۔ اپنے مقام سکونت سے جس شہر کی سمت آپ معلوم کرنا چاہتے ہوں تو سب سے پہلے ان دونوں شہروں کے طول البلد اور عرض البلد کو معلوم کیجئے، پھر اس طول وعرض کا مقابلہ کیجئے، اگر دوسرا شہر آپ کے شہر سے طول میں برابر ہے مگر عرض میں زیادہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے شہر سے جنوب میں واقع ہے، اور اگر اس کے برعکس صورت ہے تو پھر وہ آپکے ہاں سے مشرقی سمت میں ہوگا، اسی طرح اگر وہ طول وعرض دونوں میں آپ کے شہر سے بڑا ہے تو پھر وہ شمال مشرق کے درمیان واقع ہوگا، ہکذا (۳/۲۵۰)

۲۔ علمائے ہیئت ومساحت نے دوسرے مقامات کی سمت معلوم کرنے کا اس سے آسان طریقہ یہ تحریر کیا ہے کہ اگر وہ شہر جس کی سمت معلوم کرنا ہے، آپکے شہر سے عرض میں برابر ہونے کے ساتھ طول میں زیادہ ہے تو وہ آپکے شمال مشرق میں واقع ہوگا، اور اگر طول میں کم ہے تو اس کی سمت شمال مغرب ہوگی، اسی طرح اگر طول وعرض دونوں میں کم ہے تو وہ جنوب ومغرب کے درمیان واقع مانا جائیگا، اور اگر وہ شہر آپکے شہر سے طول میں تو کم مگر عرض میں زیادہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسکا محل وقوع آپکے ہاں سے مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔ (۳/۲۵۱)

خلافت اسلامیہ کے تمدنی انقلابات

مؤلف صبح الاعشیٰ نے بہت تفصیل سے اس تاریخی حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ خلافت اسلامیہ کا آغاز خیر القرون سے ہوا، جب حکومت پھولوں کا گلدستہ نہیں بلکہ کانٹوں کی سیج خیال کیجاتی تھی، اور حکمران وقت خود کو عوام کا خادم اور مونس تصور کرتا تھا، اس کی زندگی سادگی اور عسرت سے پُر ہوتی تھی لیکن باایں ہمہ دنیا کی بڑی سے بڑی باجبروت طاقتیں اس سے لرزتی تھیں اور عظیم فتوحات کا ایک سیلاب سا اُمڈ پڑتا تھا، مگر پھر جب بنو مروان نے بساط حکومت بچھائی تو بتدریج خلافت میں ملوکیت کا رنگ و آہنگ پیدا ہونا شروع ہوگیا اور نظام حکومت صحیح اسلامی خطوط سے ہٹنے لگا، ظاہری شان وشوکت، خدم وحشم کی کثرت، عمدہ لباس وغذا کی وجہ سے اموی حکمران عیش وطرب کے دلدادہ بن گئے،

دولت عباسیہ کے زمانے میں شوکت، بہجت اور تعیش پسندی کی اس لہر میں مزید اضافہ ہوگیا تھا (الاماشاء اللہ) یہاں تک کہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب ۳۰۵ھ میں مقتدر باللہ کے عہد خلافت میں شاہ روم کے قاصد بغداد آئے تو ان پر ہیبت قائم کرنے کیلئے دار الخلافہ میں جو لشکر ترتیب دیا گیا تھا، اس کے سوار اور پیدل کی تعداد تقریباً ۲ لاکھ تھی، خلیفہ کے حضور چھ سو حاجبوں اور چھ سو خاص خادموں کا ہجوم تھا، مزید برآں اس موقع پر مختلف اقسام کے خوفناک اسلحہ اور پُرہیبت جنگی ساز وسامان کی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا، دار الخلافہ کی دیواروں کو ۳۸ ہزار منقش پردوں سے سجایا گیا اور زمین پر بیس ہزار قیمتی قالین اور فرش بچھائے گئے تھے، تمام درختوں کی شاخوں اور پتیوں کو سونے چاندی سے زرق برق بنا دیا گیا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب دولت عباسیہ کا چراغ حیات ٹمٹما رہا تھا، اور اس کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں، قلقشندی نہایت دکھ اور قلبی

افسوس کے ساتھ ان تمام تاریخی حقائق اور تمدنی انقلابات کا ذکر اور ماتم کرتا ہے، وہ خلافت اسلامیہ کے زوال و انحطاط کا واحد سبب اسلامی دستور حیات اور ضابطۂ جہانبانی سے انحراف کو قرار دیتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اگر نظام حکومت میں خیر القرون کی روح پرور ہوائیں برابر چلتی رہتیں تو شاید اسلام کے پیروؤں کے اقتدار کا پرچم کچھ اور عرصہ تک لہراتا رہتا۔ (۳/۲۶۶)

مصر آٹھویں صدی تک

قلقشندی سے پہلے مختلف ملکوں پر مستقل کتابیں لکھنے کا عام رواج تھا، چنانچہ مورخین نے شام، فارس، عراق اور مصر وغیرہ کی تاریخ پر مبسوط تحریری سرمایہ یادگار چھوڑا ہے، اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ مصر کی تاریخ میں دولت فاطمیہ، ایوبیہ اور سلاطین ممالیک کے عہد کو مختلف حیثیتوں سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اسی باعث آٹھویں صدی میں تالیف کی گئی ادبی اور تاریخی کتابوں مثلاً خطط مقریزی، حسن المحاضرۃ، احسن التقاسیم اور اخبار قاہرہ وغیرہ میں مصر کا تفصیلی یا اجمالی ذکر ضرور ملتا ہے، بلکہ بعض مورخین نے تو اس موضوع پر مستقل ضخیم کتابیں بھی تالیف کر دی ہیں،

قلقشندی نے بھی اپنی حب الوطنی کے ثبوت میں اور اس عہد کی عام روش کے مطابق مصر کی تاریخ کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا ہے، اس نے ایسی قرآنی آیتیں اور حدیثیں کثرت سے نقل کی ہیں، جن میں مصر کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر ملتا ہے،

مصر کے چند اہم عجائبات

اس کے بعد مؤلف صبح الاعشیٰ نے مصر کی مشہور اور خاص خاص اشیاء، عجائبات اور آثار قدیمہ کو بہت تفصیل سے نمایاں کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ مصر کی اہم ترین قابل ذکر چیز زمرد کا معدن ہے، یہ شہر قوص سے آٹھ دن کی مسافت پر ایک پہاڑ میں غار کے اندر واقع ہے، یہ کان اپنی نوعیت کے اعتبار سے ساری دنیا میں بے نظیر خیال کی جاتی ہے، دولت ناصریہ میں شاہ محمد بن قلاوون کے زمانہ تک برابر اس سے زمرد

برآمد کیے جاتے رہے، اور بقول صاحب مسالک الابصار پورے روئے ارض کے امراء وسلاطین یہاں سے اس گرانبہا پتھر کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے،

مصر کی اس سے بھی اہم چیز بلسان[1] کا پودہ ہے، اس کی کاشت مضافات قاہرہ میں عین شمس کے قریب ایک مخصوص خطۂ زمین میں کی جاتی ہے، اور ایک اپنے مخصوص کنوئیں سے اس کی آبیاری ہوتی ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اس کے پانی سے غسل کیا تھا، نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ عالم شیر خوارگی میں حضرت مسیحؑ نے اپنی ایڑی سے اس کنوئیں کو کھودا تھا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ بلسان نہ تو اس خاص زمین کے علاوہ پوری دنیا میں کہیں اور پل سکتا ہے اور نہ اس مخصوص کنوئیں کے پانی کے بغیر اس کی نشوونما ہو سکتی ہے، ابن اثیر نے عجائب المخلوقات میں لکھا ہے کہ جس خاص زمین میں بلسان کی کاشت ہوتی ہے اس کا طول وعرض ایک ایک میل ہے، اس درخت سے ایک خاص قسم کا تیل نکلتا ہے جس کو صاف کر کے آگ پر پکایا جاتا اور پھر دواؤں میں استعمال کرنے کے لیے اسپتالوں میں بھیجا جاتا ہے، بقول صاحب مسالک الابصار "تمام نصاریٰ اس تیل کو سونے اور جواہر سے بھی قیمتی خیال کرتے ہیں، کیونکہ جیسا مذکور ہوا ان کے عقیدے کے مطابق جس مخصوص کنوئیں سے بلسان کی آبیاری ہوتی تھی، اس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیجاتی تھی، نیز اس وقت تک کوئی شخص مکمل نصرانی نہیں ہو سکتا تھا، جب تک روغن بلسان کو اپنے غسل کے پانی میں تھوڑا سا ڈال نہ لے۔ (۳/۲۷۰)

دریائے نیل

نیل کا وصف بیان کرنے میں قلقشندی کے قلم نے بڑی جولانی دکھائی ہے،

[1] بلسان ایک درخت ہوتا ہے جس کے پھول چھوٹے چھوٹے سفید رنگ کے اور پتے تلسی کے مانند ہوتے ہیں اس سے خوشبودار تیل نکلتا ہے، جو مختلف امراض میں دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اس دریا کا سرچشمہ کیا ہے؟ اس کا طول و عرض کتنا ہے، یہ کہاں کہاں سے گھومتا اور کن کن علاقوں سے گذرتا ہے، قبل اسلام اور عہد اسلام میں کن کن حکمرانوں نے اس کی تعمیر و توسیع میں حصہ لیا، کس زمانے میں اور کن اسباب سے اس میں طغیانی آتی اور کب اور کیوں اسکا پانی کم ہو جاتا ہے؟ ان تمام پہلوؤں کو مؤلف صبح الاعشیٰ نے ماہر جغرافیہ دانوں اور باکمال مورخوں مثلاً یاقوت رومی، ابن سعید بطلیموس اور صاحب رسم المعمور وغیرہ کے مستند حوالوں سے تفصیل کے ساتھ روشن کیا ہے،

اہل مصر کی خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ دریائے نیل کا گہرا تعلق ہے، اس لیے اس کی خشکی اور طغیانی ان کے نزدیک بہت اہمیت رکھتی تھی، طلوع اسلام کے قبل مصر میں قبطیوں میں یہ رواج تھا کہ جب دریائے نیل کا پانی کم ہو جاتا تھا تو وہ ایک کنواری لڑکی کو اس کی بھینٹ چڑھاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کے عقیدہ کے مطابق دریا میں طغیانی آتی تھی، جب مصر پر فتح اسلامی کا پرچم لہرایا تو وہاں کے باشندے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ دریائے نیل ہر سال ایک انسانی جان کی قربانی طلب کرتا ہے، ہم لوگ ایک کنواری لڑکی کو اس کے والدین کی رضامندی سے خوب بناؤ سنگار کے ساتھ دلہن بنا کر نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، اس وجہ سے اس کی روانی برابر جاری رہتی ہے، حضرت ابن العاص نے اس رسم کو یکسر ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا:-

ھذا امر لا یکون فی الاسلام	اس کی اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے

پھر حضرت عمر فاروق کو اس صورت حال کی پوری تفصیل لکھ بھیجی، انھوں نے عمرو ابن العاص کے موقف کی تصویب کرتے ہوئے دریائے نیل کے نام ایک رقعہ لکھکر

ارسال فرمایا، جس میں تحریر تھا،

من عبد الله عمر امیر المؤمنین	خدا کے بندے امیر المومنین کی طرف سے
الی نیل مصر۔ اما بعد۔ فان	یہ خط نیل کے نام ہے۔ اما بعد۔ اگر تو
کنت تجری من قبلک فلا تجر	از خود رواں دواں تھا تو اپنی روانی
وان کان الله الواحد القهار	کو بند کر دے۔ اور اگر اللہ واحد قہار
هو الذی یجریک فنسأل الله	ہی تجھکو جاری کیے تھا تو ہم اللہ سے دعا
ان یجریک	کرتے ہیں کہ وہ تجھکو رواں دواں رکھے

اس رقعہ کو حضرت عمرو بن العاص نے نیل میں ڈالدیا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسی دن زبردست طغیانی آئی اور دریا میں سولہ ہاتھ پانی چڑھ گیا، قلقشندی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں بھی دریائے نیل میں ایسا ہی زبردست سیلاب آیا تھا،

زراعت، پھول اور میوے مصر بنیادی طور پر ایک زراعتی ملک ہے، یہاں مختلف اجناس کے غلے اور سبزیاں بہت کثرت سے پیدا ہوتی ہیں، غلہ میں جو، گیہوں، مکئی، مسور، ماش، چنا اور سبزیوں میں اروی، بیگن، گوبھی، شلجم، مولی، لوبیا، ککڑی، ملوخیا[۱] اور لہسن و پیاز کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اس کے علاوہ خربوزہ اور گنے کی پیداوار بھی یہاں بہت زیادہ ہے، اسی طرح مصر کے چمن زاروں میں نرگس، بنفشہ، گلاب، چمیلی، نسرین اور نیلوفر وغیرہ جیسے گلہائے رنگا رنگ، مشام جاں کو معطر کرتے ہیں، مختلف اقسام کے میووں اور پھلوں کی پیداوار کے لیے بھی مصر تمام دنیا میں شہرت رکھتا ہے، چنانچہ یہاں انگور، سیب، امرود، کیلا، نارنگی، شہتوت، بیر، انار، انجیر، کشمش اور شفتالو اتنی کثرت سے

---

[۱] ایک خاص قسم کی ترکاری کا نام ہے۔

پیدا ہوتا ہے کہ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد بڑی مقدار میں بیرونی ملکوں کو بھی برآمد کیا جاتا ہے۔ (۳/۳۱۲)

شہر اسکندریہ یہ شہر یونان کے مشہور بادشاہ سکندر اعظم نے تعمیر کیا تھا، اس لیے اسی کے نام سے موسوم ہے، قبل اسلام کسی زمانے میں یہ مصر کا دار الخلافہ بھی رہا ہے، یہاں کے عجائبات میں سب سے مشہور وہ عظیم ترین مینار تھا جو پتھر اور سیسہ کی آمیزش سے تعمیر کیا گیا تھا، اس کی بلندی چار سو ذراع[1] تھی، اس منارہ کی چوٹی پر ایک خاص قسم کا آئینہ نصب تھا جس میں اس طرف بہت دور سے آنے والے کا عکس نظر آتا تھا، یہ منارہ اسکندریہ کی طرف آنیوالی تمام سواریوں کی رہنمائی کے لیے نشانِ منزل کا کام بھی انجام دیتا تھا، اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں نصاریٰ نے اس کو توڑ ڈالا اور پھر بتدریج منہدم ہوتے ہوتے آٹھویں صدی ہجری کے وسط (عہد قلقشندی) تک صرف اس کے آثار ہی باقی رہ گئے تھے۔ (۳/۳۲۲)

اہرام مصر مصر کے قدیم حکمرانوں کو فن تعمیر کا خاص ذوق و شغف تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے عہد عروج و اقتدار میں ایسے نادرِ روزگار تعمیری کارنامے انجام دیے جو مرور زمانہ کے باوجود اب تک اپنے بانیوں کی عظمت و انفرادیت کا پرچم بلند کیے ہوئے ہیں، ان تعمیرات میں سب سے اہم اہرام ہیں۔ یہ دراصل مصری حکمرانوں کے مقبرے ہیں، ان کثیر التعداد اہراموں میں سب سے عظیم الشان فسطاط کے مقابل کے دو اہرام ہیں، ہر ایک کا طول ۳۱۷ ذراع ہے، ابو الصلت کا قول ہے کہ تمام روئے ارض پر ایسی کسی عمارت کی نظیر نہیں ملتی جس میں پتھروں کا استعمال اتنی کثرت سے کیا گیا ہو

[1] ہر ذراع تین بالشت کا ہوتا تھا۔

جتنا مذکورہ بالا دونوں اہراموں میں، فرقہ صابئہ کے لوگ شدِّ رحال کرکے انکی زیارت وعبادت کے لیے آتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ان میں سے ایک حضرت ادریسؑ کی قبر ہے اور دوسرے میں ان کے فرزند صابیٔ مدفون ہیں، جن کی طرف یہ فرقہ منسوب ہے، ان اہراموں کا بانی کون ہے؟ اس بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں، قلقشندی نے سب کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

وبالجملة فهما من اعظم الآثار واقدمها واجل المباني وادومها۔	خلاصہ یہ کہ یہ دونوں اہرام قدیم ترین اور عظیم ترین آثار اور نہایت جلیل الشان اور ہمیشہ باقی رہنے والی عمارتوں میں ہیں،

مشہور عباسی خلیفہ مامون الرشید نے ۲۱۶ھ میں ان دونوں اہراموں کو منہدم کرنے کی بہت کوشش کی مگر ممکن نہ ہوسکا۔ (۳/۳۲۵)

قاہرہ ایام دولت فاطمیہ میں جب مصر کی زمام حکومت المعز لدین اللہ کے قائد جوہر الصقلی کے ہاتھوں میں آئی تو اس نے جمادی الاولیٰ ۳۵۸ھ میں مصر کے مشہور شہر اور موجودہ دار الحکومت **قاھرہ** کی بنا ڈالی۔ قلقشندی اس کی توصیف میں رقم طراز ہے کہ

هی المدينة العظمیٰ ليس لها نظير فی الآفاق ولا سميع بمثلها فی مصر من الامصار (۳/۳۴۷)	یہ ایک ایسا عظیم ترین شہر ہے کہ پوری دنیا میں اسکی نظیر مفقود ہے اور نہ اس جیسا کوئی شہر سنا ہی گیا ہے۔

المقریزی اپنے "خطط" میں قاہرہ کی بنا وتاسیس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ جوہر نے قاہرہ کی تعمیر کے بعد المعز لدین اللہ کو قاہرہ کو دار الخلافہ قرار دینے کی ترغیب دی،

لیکن اس وقت اس نے یہ تجویز قبول نہ کی، جوہر الصقلی وہاں المعز کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا، اور خطبا، عمال، اور قضاۃ وغیرہ مقرر کر دیے، ہفتہ میں ایک دن وہ خود بھی دادرسی کے لیے بیٹھتا تھا، پھر اس نے فتوحات کا دائرہ وسیع کیا، اور ۳۶۱ھ تک اس نے مصر کے علاوہ شام اور حجاز وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا، اس کے بعد جوہر نے اپنی سابقہ تجویز پھر پیش کی، بالآخر اس کے شدید اصرار کے بعد المعز ترک وطن کر کے قاہرہ آکر آباد ہو گیا، اس طرح جوہر کی تحریک سے اس کا نو تعمیر شدہ شہر صدیوں کے لیے دار الخلافہ بن گیا،

جوامع و مساجد | قلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں قاہرہ اور فسطاط کی بکثرت مساجد کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چند اہم اور مشہور مسجدیں جو اسلامی فنِ تعمیر کا نادر نمونہ شمار ہوتی ہیں یہ ہیں،

۱۔ جامع طولون: اس کو احمد بن طولون نے ۲۵۹ھ میں مصر کے مشہور پہاڑ جبل لشکر پر تعمیر کیا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر پر ایک لاکھ بیس ہزار دینار صرف ہوئے، جب ابن طولون اس کی تعمیر سے فارغ ہوا تو ایک شب اس نے عالم رویا میں دیکھا کہ آسمان سے آگ نازل ہوئی اور اس نے جامع طولون کو خاکستر کر دیا، اور لطف کی بات یہ کہ مسجد کے گرد و پیش کو اس آگ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا، ابن طولون نے ایک ماہر رویا سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو اس نے اس کو بارگاہ ایزدی میں قبولیت مسجد کی خوشخبری دی اور کہا کہ گذشتہ اقوام جب تقرب معبود کے لیے اپنی کسی عزیز ترین چیز کی قربانی کرتے تھے تو اس کی مقبولیت کی علامت یہی تھی کہ آسمان سے آگ آکر اس کو خاکستر کر دیتی تھی،

۲۔ جامع ازہر: یہ مصر کی قدیم ترین اور قاہرہ کی سب سے پہلی جامع ہے جب معز لدین اللہ نے قاہرہ کو دار الخلافہ قرار دے کر وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی تو قائد جوہر الصقلی نے

جامع ازہر کی بنا رکھی، ۷ رمضان ۳۶۱ھ کو اس کی تعمیر مکمل ہوئی، المعز کے بعد ہر خلیفہ نے اس پر اپنی خاص نظر کرم رکھی، اور برابر اس میں اضافہ ہوتا رہا، چنانچہ خلیفہ عزیز نے جامع ازہر کے اردگرد فقہاء کی سکونت کے لیے دار الجماعت تعمیر کرایا، جس میں وہ نماز ظہر کے بعد جمع ہوتے اور عصر تک علمی مذاکرات کیا کرتے تھے، بلاشبہ جامع ازہر فاطمیوں کا ایک عظیم اور لازوال کارنامہ ہے، یہ آج تک قائم ہے، اور غالباً رہتی دنیا تک قائم رہے گا، قلقشندی نے ابن عبد الظاہر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے کچھ لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ جامع ازہر میں کچھ ایسے سحر کا اثر ہے جس کے باعث اس میں چڑیاں اور پرندے بسیرا نہیں کر پاتے۔" (۳/۳۶۴)

۳۔ جامع حاکم: اس کی بنیاد فاطمی خلیفہ عزیز نے ۱۰ رمضان المبارک ۳۷۹ھ کو رکھی تھی، اس کی وفات کے بعد الحاکم بامر اللہ نے ۴۰۳ھ میں اس کی تکمیل کرائی اور اس کے لیے چٹائیاں، قندیلیں، فرش اور پردے مہیا کیے، اس کے علاوہ چاندی کے بڑے بڑے جھاڑ اس میں آویزاں کیے، ۴۰۵ھ میں دوسری مسجدوں کے ساتھ اس کیلئے بھی املاک وقف کی گئیں (۳/۳۶۵)

۴۔ جامع صالح: یہ مسجد الفائز باللہ اور العاضد لدین اللہ کے وزیر صالح طلائع ابن رزیک نے قاہرہ کے جنوبی دروازے کے باہر تعمیر کی تھی، یہ مسجد ایک مستطیل قطعہ زمین پر بنائی گئی ہے، اس کی مساحت تقریباً ۱۳۵ ذراع ہے، دولت فاطمیہ کی دوسری مساجد کی طرح اس میں بھی مینار بڑے باب الداخلہ کے اوپر بنایا گیا ہے، اس کے دونوں بازوؤں پر طلبہ کے رہائشی کمرے ہیں، محراب میں شیشہ کی پچہ کاری کی گئی ہے، اس کا منبر حیرت انگیز طور پر مختلف النوع گلکاری کے نباتی نمونوں سے بھرا ہوا ہے، عمارت کا بیرونی حصہ گھڑے ہوئے پتھر کا ہے، اسکے بالائی حصے کی تزئین کوفی کتبوں کی پٹیوں سے کی گئی ہے۔

مذکورۂ بالا قابل ذکر مساجد کے علاوہ قاہرہ اور مصر کے دوسرے شہروں میں جامع راشدہ

جامع مقس، جامع قرافہ، جامع الرصد، جامع الفیلہ اور جامع اقمر وغیرہ بکثرت مسجدیں تھیں، جن میں عبادت وریاضت کے علاوہ تعلیم وتدریس بھی ہوا کرتی تھی۔ (۳/۳۶۶)

ٹکسال اور سکے اس عہد میں پورے مصر میں سونے کا سکہ رائج تھا، جو اسکندریہ، قوص اور عسقلان وغیرہ کے دار الضرب (ٹکسال) میں ڈھالا جاتا تھا، اسکے ایک طرف سلطان یا خلیفۂ وقت کا نام اور دوسری جانب عموماً "محمد رسول اللہ" کندہ ہوتا تھا، اسی طرح مصر میں بعض یورپین ممالک اور روم سے درآمد کیے ہوئے دیناروں کا بھی چلن تھا، اس کے ایک طرف اس بادشاہ کی تصویر بنی ہوتی جس کے عہد میں وہ سکہ ڈھالا گیا ہے، اور دوسری طرف حضرت مسیحؑ کے حوارین بطرس اور یولس کی صورتیں منقوش رہتی تھیں، مصر میں سونے کا بھاؤ یکساں نہیں رہتا تھا، کبھی گراں ہو جاتا اور کبھی ارزاں، چنانچہ قلقشندی نے لکھا ہے کہ "ہم نے سنہ ۷۹ھ میں مصری دینار کی قیمت بیس[۲] درہم کے برابر دیکھی تھی لیکن آج سنہ ۱۳ھ میں وہ بیحد گراں ہو گیا ہے۔" (۳/۴۴۲)

اسی طرح دینار کے پہلو بہ پہلو نقرئی درہم بھی رائج تھے جس میں ایک تہائی چاندی اور ایک ثلث تانبے کی آمیزش ہوتی تھی، اس کے بعد سنہ ۷۵۹ھ میں پیسوں کا چلن عام ہوا، چنانچہ ۴۸ پیسے ایک نقرئی درہم کے برابر ہوتے تھے، اس کے بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ سرخ تانبے کو پانی کی طرح پگھلا دیتے تھے، پھر اس کو لمبی لمبی چھڑوں کی شکل میں خشک کر کے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیے جاتے، اس کے بعد شاہی ٹکسال میں اس کو ڈھال دیتے تھے، اس کے ایک طرف سلطان کا نام کندہ ہوتا اور دوسری جانب دار الضرب کے شہر کا نام، تاریخ اور سنہ نقش ہوتا تھا لیکن ایک عرصہ کے بعد جب مصر میں تانبہ حد سے زیادہ گراں ہو گیا تو یہ سکہ ناپید ہو گیا۔ (۳/۴۶۸)

قصر شاہی کے توشہ خانے دولت فاطمیہ اپنی شان وعظمت اور دولت وثروت کے اعتبار سے تمام دول اسلامیہ میں سب سے بڑی حکومت تھی، قصر شاہی میں بہت کثرت سے محکمے اور توشہ خانے قائم تھے، جن میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتب خانہ:۔ ہر زمانہ کے حکمراں قصر شاہی کے کتب خانوں سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، اور ان میں دنیا بھر کے نادر قلمی نسخے کثیر تعداد میں یکجا کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کتبخانوں میں مختلف علوم وفنون کی ایک لاکھ سے زائد کتابیں موجود ہوتی تھیں، علاوہ ازیں رنگارنگ آرٹ اور مختلف خطوں میں لکھی ہوئی خوشنما اور دیدہ زیب وصلیاں ان کتب خانوں کی زینت بڑھاتی تھیں۔

۲۔ خزانۃ الشراب:۔ یہاں ہر قسم کے بہترین مشروبات، عمدہ مربے، نفیس معجون ہر وقت موجود رہتے تھے، دواؤں کا ذخیرہ بھی یہیں رہتا تھا، کثیر تعداد میں عطریات فاخرہ بھی یہاں تیار رہتے، گرانبہا ظروف کا بھی اعلیٰ ذخیرہ اس میں ہوتا تھا، جن کا حصول عالی مرتبت شاہان وقت کے علاوہ کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔ (۳/۴۷۶)

۳۔ خزانۃ السروج:۔ یہ محل میں ایک بہت بڑا ہال تھا، جہاں سونے چاندی کے زین اور لگام بڑی کثیر تعداد میں موجود رہتے تھے، نیز اسپ سواری کے دوسرے قیمتی لوازمات بھی ہر وقت تیار رہتے، اس شعبہ کی دیکھ بھال کے لیے ایک مستقل عملہ مامور تھا (۳/۴۷۷)

۴۔ خزانۃ السلاح:۔ یہاں انواع واقسام کے بے نظیر ہتھیاروں کا ذخیرہ رہتا تھا، ان میں سونے اور چاندی مڑھے ہوئے خود بھی تھے، عربی تلواریں بھی، تیر، پیکان، ترکش، زرہ غرض جملہ آلاتِ سلاح موجود رہتے تھے۔

۵۔ خزائن المال:۔ یہاں خزانہ کے علاوہ بیش قیمت جواہر، اعلیٰ ملبوسات، اور

نفیس و بہترین پارچہ جات کے اتنے بڑے ذخائر رہتے تھے کہ قلم اس کے بیان سے قاصر ہے، اس کا کچھ اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانے میں مصر میں شدید ترین گرانی کا بازار گرم ہوا تو اس نے نظم مملکت کو قائم رکھنے کے لیے اپنے خزانۃ المال سے اسّی ہزار بڑے بڑے بلوریں ٹکڑے، ستر ہزار دیباج کے ٹکڑے اور بیس ہزار زیورات نکال کر فوج اور عوام کی ضروریات پوری کیں (۳/۴۷۸)

خلیفہ کی خاص سواریاں خلیفہ کے دو طویلے خاص تھے، ایک گھوڑوں اور خچروں کا اصطبل، دوسرا اونٹوں کا۔ ان مویشیوں کی بہت بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی، ان کا استعمال خلیفہ کی سواری یا ارباب مراتب یا خاندان دولت کے لیے خاص تھا، قلقشندی نے اسی سلسلۂ کلام میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "ایک بہت عجیب بات یہ بیان کیجاتی ہے کہ خلفائے فاطمیین میں سے کسی نے بھی سیاہ گھوڑے کی کبھی سواری نہیں کی تھی، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے اصطبل کے دوسرے مویشیوں کیساتھ رکھنا تک پسند نہیں کرتے تھے، (۳/۴۷۸)

نظم مملکت قلقشندی نے دربار شاہی کے منصب داروں اور خاص مقربوں کے دو طبقے قائم کئے ہیں، ارباب السیوف اور ارباب الاقلام۔ پھر ان کے تحت متعدد مناصب اور ان کی ذمہ داریوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ہم سہولت کی خاطر ذیل میں چند اہم ترین منصب داروں اور ان کے فرائض کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، اسی سے پورے نظامِ حکومت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

۱۔ وزارت خلیفۂ وقت کے بعد یہ سلطنت کا اعلیٰ ترین منصب ہوتا تھا، گویا وزیر خلیفہ کا نائب شمار ہوتا، اور اس کو امور مملکت میں غیر معمولی وسیع اختیارات حاصل ہوتے تھے، قاضیوں کا تقرر، گورنروں کا انتخاب، فوجوں کی تیاری وغیرہ سارے کام اسی کو تفویض

ہوتے تھے، اسلام میں سب سے پہلے وزیر کا لقب ابو الفرج یعقوب بن کلس کو ملا تھا جس کو ۳۶۸ھ میں عزیز باللہ نے منصب وزارت پر فائز کیا تھا، دولت فاطمیہ میں وزارت کے منصب پر ارباب سیف اور اہل قلم دونوں ہی فائز ہوتے تھے، لیکن المستنصر باللہ کے دور حکومت تک بیشتر وزراء طبقۂ ثانیہ ہی کے ملتے ہیں، جن ارباب قلم وزیروں نے شہرت حاصل کی اُن میں یعقوب بن کلس (عزیز باللہ کا وزیر) حسن بن عبد اللہ البازوری (مستنصر کا وزیر) ابو سعید التستری، ابن ابی کدینہ، علی بن فلاح اور ابو الطاہر احمد بن بابشاذ کے نام نمایاں اور ممتاز ہیں (۳/۴۸۹)

۲۔ **حامل المظلہ**:- یعنی چتر بردار، یہ دربار میں اور سواری کے موقع پر خلیفہ کے سر پر چتر لے کر کھڑا ہوتا تھا، اس منصب پر کوئی بہت بڑا آدمی فائز کیا جاتا تھا،

۳۔ **حامل سیف الخلیفہ**:- یعنی شمشیر بردار، خلیفہ کی سواری جب نکلتی تو یہ اس کی تلوار لے کر ساتھ ساتھ چلتا تھا، اس کا درجہ سپہ سالار کے بعد تھا، (۳/۴۸۳)

۴۔ **صاحب المجلس**:- خلیفہ کے دربار میں اشراف و اعیان کا استقبال کرنے اور ان کو بٹھانے کا کام اس کے ذمہ ہوتا تھا، جب خلیفہ تخت شاہی پر متمکن ہو جاتا تو یہی منصبدار وزراء اور امراء کو جا کر اسکی اطلاع دیتا تھا، اس کو امین الملک کہا جاتا تھا،

۵۔ **صاحب الرسالہ**: یہ خلیفہ کے فرامین اور مراسلات وزراء وغیرہ کے پاس بدستِ خود لیجاتا تھا، دولت فاطمیہ کے آخری عہد میں اس منصب کا نام الامیر الثقہ پڑ گیا تھا۔

۶۔ **متولی زمام القصر**: یہ محل شاہی کے تمام امور کا نگراں ہوتا تھا، خدامِ قصر اسی کی ماتحتی میں تھے، وہی ان کے فرائض بھی تقسیم کرتا اُنکی کارگذاری پر کڑی نظر رکھتا تھا،

۷۔ **متولی زمام الاقارب**: خلیفہ کے عزیزوں اور قرابتداروں کے احوال و معاملات اسی کے سپرد تھے، اور اس کا حکم ان معاملات میں حرف آخر مانا جاتا تھا۔ (۳/۴۸۵)

۸۔ **قراء خاص**:۔ ان قاریوں کی تعداد دس سے زیادہ تھی، یہ خلیفہ کی مجالس اور سواری کے مواقع پر قرآن کریم کی مناسب حال آیتیں تلاوت کیا کرتے تھے، یہ ان کا خاص کمال تھا، جس سے خلیفہ اور حاضرین بہت محظوظ ہوتے تھے، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خلیفہ نے ناراض ہو کر اپنے امیر کو مقید کر دیا تھا، قاری نے اس موقع کی مناسبت سے یہ آیت تلاوت کی خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاهلین۔ خلیفہ نے اسے اتنا پسند کیا کہ فوراً اس معتوب امیر کو رہا کر دیا۔ (۳/ ۴۸۹)

۹۔ **قاضی القضاۃ (چیف جسٹس)**: یہ مملکت کا سب سے جلیل القدر، رفیع المرتبت اور عظیم الشان منصب ہوتا تھا، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ پر اس کو کامل دسترس اور عبور کلی حاصل ہوتا تھا، اس کو یہ امتیاز خاص حاصل تھا کہ وہ ہمیشہ خلیفہ کے اصطبل شاہی کے ایک سفید خچر پر سواری کرتا تھا، پوری مملکت میں اس کے علاوہ کسی اور شخص کو سفید رنگ کے خچر پر سواری کرنے کی اجازت نہ تھی، خلیفہ ہر دوشنبہ اور جمعرات کو قاضی القضاۃ کی سلامی کیلئے جاتا تھا، جب وہ عدالت میں بیٹھ جاتا تو اس کے اردگرد اور دائیں بائیں حاضرین اپنے مراتب کے اعتبار سے بیٹھتے تھے، چیف جسٹس کے دروازے پر پانچ مسلح حاجب دربانی کرتے تھے، جب تک وہ عدالت میں موجود رہتا کسی کو کھڑے ہونے کی قطعی اجازت نہیں تھی،

۱۰۔ **شعراء**: شاعروں کی بڑی قدر و منزلت تھی، خلفاء، امراء اور وزراء سب انھیں مالا مال کرتے رہتے تھے، ان شعراء میں اہل سنت بھی تھے اور شیعہ بھی، اول الذکر مدح میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، اور آخر الذکر خوب غلو کرتے تھے، مثلاً ایک شاعر کہتا ہے:

هذا امیر المؤمنین بمجلس ابصرت فیه الوحی والتنزیلا

واذا تمثل راكبا فی موكب عاینت تحت ركابه جبریلا

ترجمہ:۔ یہ امیر المومنین ہیں جو اپنی مجلس میں تشریف فرما ہیں، جہاں میں وحی اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اور جب امیر المومنین سوار ہوتے ہیں تو میں انکی رکاب کے نیچے جبریل کو دیکھتا ہوں۔

بقول قلقشندی مدح میں اس اغراق و غلو کی حد تک پہنچا ہوا مبالغہ نہ کسی سنی کے لیے جائز ہے اور نہ کسی شیعہ کے لیے۔ یہ تو گمراہ شاعروں کا شعار ہے۔ (۳/ ۴۹۷)

۱۱۔ **صاحب دیوان الانشاء**: آٹھویں صدی کے نظام حکومت میں ارباب قلم عہدہ داروں میں اہم ترین اور سب سے جلیل المرتبت دیوان انشا کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا جسکو صاحب دیوان الانشاء کے علاوہ "کاتب الدست الشریف" بھی کہتے تھے، دفتر انشاء کی حقیقت، تاریخ اور کاتب کی خصوصیات و کمالات پر ہم گذشتہ صفحات میں بہت تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، دفتر انشاء سے تمام اہم پروانے اور فرامین صادر ہوتے تھے، باہر کے مراسلات اور سفارتی خطوط سب سے پہلے سر بمہر حالت میں یہیں آتے تھے، پھر کاتب ان کو خلیفہ کے حضور میں پیش کرتا اور خلیفہ اس کو ان کے جوابات لکھنے کا حکم صادر کرتا تھا، ذکر آچکا ہے کہ اس منصب پر جو لوگ فائز ہوئے وہ فصاحت و بلاغت اور علمی فضائل و کمالات کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے، صاحب دیوان کے لیے کسی وقت بھی خلیفہ کے پاس باریاب ہونے کے لیے کوئی روک ٹوک یا وقت کی قید نہ تھی، یہاں تک کہ وہ کبھی کبھی شب گذاری بھی قصر شاہی میں ہی کرتا تھا، اس منصب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا حاجب بھی اہل علم و صاحب مرتبہ شخص ہوتا تھا، کاتب انشاء کا دفتر بیش قیمت گدوں، مسند اور گاؤ تکیوں سے آراستہ ہوتا اور وہ اس پر نہایت کر و فر کے ساتھ بیٹھتا تھا، (۳/ ۴۹۰)

۱۲۔ متولی دیوان الجیش: عصر جدید کی اصطلاح میں اس کو وزیر دفاع کہتے ہیں، یہ حکومت اور مسلح افواج کا بہت بڑا اور معزز عہدہ دار ہوتا تھا، اس کا مسلمان ہونا لازمی شرط تھا، وزارت دفاع کے دفتر میں سپاہیوں اور فوجیوں کے احوال، انکے مرض، صحت، زندگی، موت، حاضری و غیر حاضری اور کارگذاری سے متعلق مکمل خاکہ ہر وقت تیار ملتا تھا، اور وزیر دفاع کی خدمت میں ضروری کاغذات کارروائی کیلئے برابر پیش کیے جاتے رہتے تھے،

اس کے علاوہ وزارت جنگ ہی میں دیوان المرواتب (پے آفس) اور دیوان الاقطاع (محکمہ جاگیر) کے نام سے دو اور محکمے بھی قائم تھے، اول الذکر سرکاری ملازمین کے ماہانہ مشاہرہ کی تقسیم کا کام انجام دیتا تھا، یہاں مملکت کے ہر ملازم کا مکمل رکارڈ موجود رہتا تھا، اس میں ایک سکریٹری اور اس کے متعین معاونین کام کرتے تھے،

دیوان الاقطاع کو آج کی اصطلاح میں محکمۂ جاگیر کہا جاسکتا ہے، یہ محکمہ فوجیوں کو حسب ضرورت زمین اور جائداد عطا کیا کرتا تھا، عام طور پر یہ جاگیریں حق ملکیت کے بغیر حین حیاتی ہوتی تھیں، یہ زمینیں ان لوگوں سے حاصل کیجاتی تھیں جن کے پاس فاضل ہوتیں، یا کسی سبب سے بحق حکومت ضبط کرلی جاتی تھیں۔

(باقی)

استدراک

از پروفیسر سید حسن پٹنہ

اکتوبر کے معارف میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا مقالہ بعنوان "تحفۃ الحبیب" تالیف فخری بن امیری ہروی دیکھا، اس مقالے میں فخری کی مختصر طور پر معرفی کرنے کے علاوہ فاضل مقالہ نگار نے تحفۃ الحبیب کے ایک نادر نسخے کی اطلاع دی ہے جو مولوی محمد مبین نقوی مرحوم کی ملکیت میں تھا، اور جس کے متعلق اب یہ نہیں معلوم کہ کہاں اور کس حال میں ہے، اس ضمن میں فخری کی ایک دوسری تالیف "روضۃ السلاطین" کا بھی ذکر آگیا ہے، جس میں ان سلاطین اور امراء کے حالات ہیں جنھوں نے شعر کہے ہیں، اس کتاب سے متعلق راقم السطور کو بھی بعض باتوں کی واقفیت ہے جنھیں اس مختصر یادداشت میں قلمبند کر رہا ہوں، شاید کسی تحقیق کرنے والے کے کام آئیں۔

جناب نذیر احمد صاحب نے بتایا ہے کہ "روضۃ السلاطین" کو جناب پیر حسام الدین راشدی کے عالمانہ و محققانہ مقدمے کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا ہے، لیکن اس سے تقریباً دو سال قبل ستمبر ۱۹۶۶ء میں دانشگاہ تبریز کے استاد زبان فارسی آقای عبدالرسول خیامپور نے فخری کی اس تالیف کو متن کی انتقادی تصحیح اور فاضلانہ مقدمہ و طویل و مفصل تعلیقات کے ساتھ شائع کر دیا تھا، آقای خیامپور نے فارسی شعراء کے تذکروں کو شائع کرنے کا ایک وسیع منصوبہ تیار کیا تھا،

چنانچہ انھوں نے صفوی اور قاچاری دور کے متعدد تذکرے مقدموں اور حواشی کے ساتھ شائع بھی کئے ہیں، جن میں روضۃ السلاطین بھی شامل ہے، انھوں نے صحف ابراہیم، کو بھی شائع کرنے کا قصد کیا تھا اور اس مقصد سے میرے ذریعے کتابخانہ خدابخش بانکی پور کے نسخے کا مائکرو فلم منگوایا تھا،

آقای خیامپور کی ایڈٹ کردہ "روضۃ السلاطین" میں سات ابواب کے جو عنوانات دیے گئے ہیں وہ اُن عنوانات سے قدرے مختلف ہیں جو ڈاکٹر صاحب کے مقالے میں نقل ہوئے ہیں، گو مطالب میں فرق نہیں پڑتا، آقای خیامپور نے مقدمے میں یہ بھی بتایا ہے کہ تحفۃ الحبیب کا ایک خطی نسخہ بعنوان "جُنگ فخری غزلیات" مشہد کے نامور ادیب آقای محمود فرخ کے کتابخانے میں موجود ہے۔

مقالۂ مزبور میں فخری کی ایک اور تالیف "صنائع الحسن" کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جس کا ایک مخطوطہ کتابخانہ خدابخش میں بھی محفوظ ہے، جناب پیر حسام الدین راشدی نے اسے ایڈٹ کرتے وقت میرے ذریعہ اس نسخے کا مائکرو فلم منگوایا تھا، لیکن میں نے ان کی ایڈٹ کردہ کتاب ہنوز نہیں دیکھی ہے۔

بزم مملوکیہ

ہندوستان کے غلام سلاطین، ان کے امراء اور شہزادوں کی علم نوازی اور اس دور کے علماء و فضلاء و شعراء مثلاً بہاء الدین اوشی، مولانا شہاب سراج شمس دبیر وغیرہ کے علمی و ادبی کارناموں پر نقد و تبصرہ، خصوصاً اس دور کے ممتاز سر آمد روزگار شعراء ریزہ شہاب اور عمید کا تعارف اور ان کے کلام کا انتخاب۔

مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمن ایم۔ اے۔ ضخامت ۳۲۴ - قیمت ۱۰ روپے ۹۵ پیسے

وفیات

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

از ضیاء الدین اصلاحی

۶ اکتوبر کو ریڈیو پاکستان سے یہ اندوہناک خبر معلوم ہوئی کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انکی طبیعت عرصہ سے خراب تھی، اس پیرانہ سالی میں جواں سال فرزند کی وفات کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا، کئی بار دل کا دورہ پڑ چکا تھا، بالآخر اس بیماری دل نے کام تمام کر دیا،

وہ دیوبند کے عثمانی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، اور یہیں ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے تھے، ان کے والد مولانا محمد یٰسین صاحب دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے، مفتی صاحب نے ان سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۳۰ھ میں دار العلوم کے عربی درجہ میں داخلہ لیا، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا اعزاز علی وغیرہ اکابر علماء سے درسیات کی تکمیل کی، مولانا قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم اور مولانا شاہ وصی اللہ ان کے ہم سبق تھے، ۱۳۳۶ھ میں درس نظامی سے فراغت کے بعد دار العلوم میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے، اس عرصہ میں دار الافتاء کے سربراہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن کے زیر نگرانی فتویٰ نویسی کا کام بھی انجام دیتے رہے، ان کے انتقال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں یہ شعبہ خود ان کے سپرد کر دیا گیا اور بارہ ۱۲ سال تک اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے، دار العلوم دیوبند کی فتویٰ نویسی کی تاریخ میں یہ دونوں بزرگ اپنے علم و فضل اور

فقہی و دینی بصیرت کی وجہ سے برابر یاد کیے جائیں گے، ملک کی تقسیم کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم
کی دعوت پر پاکستان کے اسلامی دستور کا خاکہ تیار کرنے کے لیے مئی ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف
لے گئے، پھر وہیں مستقل طور پر رہ گئے، دار العلوم دیوبند کی طرز پر دار العلوم کراچی کے نام سے
ایک بڑے عربی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی جس کے وہی مہتمم ہوئے، ۱۹۶۷ء میں انکے خلف الرشید
مولوی محمد تقی عثمانی نے ان کی سرپرستی میں البلاغ کے نام سے ایک علمی، دینی اور اصلاحی
ماہنامہ جاری کیا جو دار العلوم کراچی کا ترجمان ہے، اس کے ہر نمبر میں مفتی صاحب کے
مفید مضامین بھی شائع ہوتے رہتے تھے،

تفسیر، حدیث اور متداول علوم میں مفتی صاحب کی استعداد پختہ تھی، مگر فقہ و افتاء
کی طرف میلان زیادہ رہا، حنفی فقہ پر ایسی گہری نظر رکھنے والے اب بہت کم لوگ ہوں گے۔
ان کو تصنیف و تالیف کا فطری ذوق تھا، ان کی تحریریں بڑی سلیس، عام فہم، سنجیدہ،
پُرمغز اور جامع ہوتی ہیں، دار العلوم دیوبند میں درس و افتا کی مشغولیت کے باوجود متعدد
علمی، دینی، فقہی اور اصلاحی رسائل تصنیف کئے، ردّ قادیانیت پر کئی کتابیں لکھیں، اسی زمانہ
کی یادگار وہ ضخیم رسالہ ہے جو ختم نبوت کے عنوان سے چار حصوں میں شائع ہوا تھا، اس کے
تین حصوں میں قرآن، حدیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، اور آخری حصہ میں قادیانیوں
کے دلائل کی محققانہ تردید کی گئی ہے، اس زمانہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دار العلوم
دیوبند کے ہزاروں فتووں کا مجموعہ آٹھ جلدوں میں مرتب کر کے افادۂ عام کے لیے شائع کیا،
ہر جلد دو حصوں پر مشتمل تھی پہلے میں عزیز الفتاوی کے نام سے مولانا مفتی عزیز الرحمن کے اور
دوسرے میں امداد الفتاوی کے نام سے خود ان کے فتوے درج ہیں، یہی فتوے بعد میں مزید

حک و اصلاح و نظر ثانی کے بعد نئی ترتیب و تبویب کے ساتھ جواہر الفقہ کے نام سے دو جلدوں میں مکتبۂ
دار العلوم کراچی سے شائع ہوئے، پہلی جلد مفتی عزیز الرحمن صاحب اور دوسری ان کے فتووں
کا مجموعہ ہے، مفتی صاحب نے اکثر جدید مسائل کا تشفی بخش جواب دیا ہے، اس طرح کے فتووں
کا ایک علحدہ مجموعہ البدائع المفیدہ فی الصنائع الجدیدہ کے نام سے چھپا تھا، اس میں
سائنس کی موجودہ ترقیات نے جو نئے آلات جیسے ریڈیو، سینما، تار، ٹیلیفون، وائرلیس، فوٹوگرافی
اور مسائل مثلاً روزہ میں انجکشن وغیرہ پیدا کر دیے ہیں، ان سے متعلق
سوالات کے مفصل جوابات دیے ہیں، کراچی کے قیام کے زمانہ میں بھی بعض علمی و فقہی مسائل
پر انکے مفید مضامین شائع ہوئے، ان میں اسلامی ذبیحہ، قربانی، رؤیت ہلال، سود
اور اسلام کا نظام تقسیم دولت وغیرہ خصوصیت سے بڑے اہم ہیں، جن میں بعض علحدہ رسالوں
کی صورت میں چھپ کر بہت مقبول ہوئے،

ان کی سب سے اہم کتاب تفسیر معارف القرآن ہے، جو کئی جلدوں میں چھپی ہے اور
رسالہ البلاغ میں بھی قسط وار چھپتی رہتی ہے اور ہفتہ وار درس کی صورت میں ریڈیو پاکستان
سے بھی نشر کی جاتی ہے، مفتی صاحب کی ایک اور قابل ذکر کتاب اسلام کا نظام اراضی ہے،
اس کے پہلے حصہ میں زمین کی مختلف قسموں اور ہند و پاک کی زمینوں کے مفصل شرعی احکام
بیان کیے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں اراضی ہند کی شرعی و فقہی حیثیت کو متعین کرنے کیلئے
اسلامی فتوحات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

عربی میں بھی کئی رسالے لکھے اور بعض عربی رسالوں کا اردو ترجمہ بھی کیا، علامہ سیوطی کے
ایک عربی رسالہ "الاجر الجزل فی الغزل" کا اردو ترجمہ کیا، اس میں چرخہ کاتنے کی فضیلت
سے متعلق حدیثیں جمع کی گئی ہیں، یہ رسالہ ترک موالات کے زمانہ میں جب گاندھی جی نے چرخہ

چلانے کی مہم پورے ملک میں چلائی تھی بہت مقبول ہوا، شعر وسخن کا ذوق بھی تھا، عربی میں بعض اچھے نعتیہ قصائد کہے ہیں،

علمی کمالات کے ساتھ وہ حسن اخلاق اور زہد وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے، ان کے ہم جماعت مولانا وصی اللہ صاحب طالب علمی کے زمانہ ہی سے تھانہ بھون آنے جانے لگے تھے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد تو وہ اسی آستانہ کے ہو کر رہے، مفتی صاحب ان کے دس سال بعد ۱۳۴۶ھ میں جب پہلی دفعہ اصلاحِ باطن کے لیے مولانا تھانویؒ کی خدمت میں تشریف لیگئے تو مولانا وصی اللہ، مولانا کے خلیفۂ امجاز ہو چکے تھے، ایک روز انھوں نے مولانا وصی اللہ کا ذکر بڑی تحسین کے ساتھ کرتے ہوئے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ ان کو جانتے ہیں، مفتی صاحب نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا:

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں ارشاد فرمایا "ہاں یہاں یہی دستور ہے، کسی کو صحرا دیا جاتا اور کسی کو شہرا دیا جاتا ہے، ہر ایک کو جو کچھ ملا ہو، اس پر راضی ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد وہ برابر مرشد کی خدمت میں استفادہ کے لیے حاضر ہوتے رہے، بالآخر خلافت سے سرفراز ہوئے، ان کے والد مولانا محمد لیسین صاحب، مولانا تھانویؒ کے ہم درس تھے، بیعت وارادت کے تعلق سے محبت وشفقت میں اور بھی اضافہ ہو گیا، مفتی صاحب کو اپنے شیخ سے بیحد عقیدت تھی، اپنی تحریروں میں ان کا بڑے احترام سے ذکر کرتے ہیں، ان کی کئی کتابوں کے ضمیمے اور شرحیں لکھیں اور فتووں کے مجموعہ امداد الفتاویٰ کو از سر نو مدون کیا اور اسکے بعض مبہم مسائل کی تشریح کی، ان کے حکم سے احکام القرآن کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھ رہے تھے، پتہ نہیں مکمل ہو پائی یا نامکمل رہ گئی، مفتی صاحب کی اکثر کتابوں کے نام مولانا تھانوی ہی کے تجویز کردہ ہیں اور ان میں انکے تحسین آمیز کلمات بھی درج ہیں، مفتی صاحب کی تحریروں

میں اپنے مرشد کے اسلوب کا پرتو اور اسی طرز کی حکیمانہ تشریح وتعبیر نظر آتی ہے، مفتی صاحب نے ان کو اصلاح اعمال اور تصفیۂ باطن کے لیے جو خطوط لکھے تھے وہ مع جواب آجکل البلاغ میں شائع ہو رہے ہیں، ان سے بھی مرشد ومسترشد کے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے،

مفتی صاحب حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خواجہ تاش تھے، اس لیے دونوں بزرگوں میں بہت اچھے روابط تھے، اور ایک دوسرے کے علم وکمال کے معترف تھے، سید صاحب کے جانشین مولانا شاہ معین الدین احمد مرحوم بھی اکثر مفتی صاحب کے مضامین اور کتابوں کا اچھے انداز میں ذکر فرماتے تھے،

مفتی صاحب اسلام کی حمایت اور فسق وفجور کے خلاف ہمیشہ سرگرم عمل رہے، انھوں نے اسلام، اسلامی تعلیمات اور داعی اسلام کے متعلق مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور مسلمانوں کے گمراہ فرقوں کے باطل خیالات کی پرزور تردید بھی کی ہے، پاکستان کے حکمران اور تجدد پسند طبقہ نے جب اسلام کے بعض قوانین اور عائلی نظام میں رد وبدل کرنا چاہا تو اس کے مقابلہ میں وہ بہت پیش پیش تھے، اور وہاں اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے بھی جد وجہد کرتے رہے،

مفتی صاحب اپنے اکابر کی طرح ہمیشہ دیوبند کے طرز فکر سے پورے طور پر وابستہ اور حنفی مذہب پر شدت سے قائم رہے، مگر طبیعت میں اعتدال اور میانہ روی تھی، اس لیے فروعی مسائل میں رواداری برتتے تھے، جماعت اسلامی اور جماعت اہل حدیث کے بارہ میں انکا اور ان کے حلقہ کا جو بھی خیال رہا ہو، مگر اسلامی قانون کے نفاذ اور مشترکہ دینی مسائل اور ملی اتحاد کی خاطر ان جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیال اور اشتراک عمل میں انھوں نے کبھی دریغ نہیں کیا، اپنے ایک رسالہ "وحدت امت" میں بڑے اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ

اتحاد کی اہمیت اور تفرق و انتشار کے نقصانات واضح کیے ہیں اور فقہی مسائل میں غلو، اختلاف اور معرکہ آرائی کی سخت مذمت کی ہے، وہ فروعی اختلافات کو حق و باطل کا معیار قرار دینے کے بجائے اولیٰ و غیر اولیٰ پر محمول کرتے تھے، اس رسالہ میں انھوں نے اپنے استاذ مولانا انور شاہ کشمیری کا یہ دلچسپ قول نقل کیا ہے کہ "میاں ہم نے تو افضل و مفضول کی بحث میں اپنی ساری عمر ضائع کر دی"

مفتی صاحب اپنے علم، تفقہ، تقویٰ، طہارت اور اعتدال و سلامت روی کی بنا پر برصغیر کے علمی و دینی حلقوں میں بہت مقبول تھے، اور انکی علمی و فقہی رایوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، افسوس ہے کہ ہماری پرانی علمی یادگاریں ایک ایک کرکے ختم ہوتی جا رہی ہیں، اور ان کا کوئی بدل نظر نہیں آتا۔

ان کے صاحبزادہ مولوی محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ دار العلوم کراچی کے استاد اور لائق اہل قلم ہیں، ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اور دوسرے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور علم و دین کے اس خادم کو اپنی رحمت کاملہ سے نوازے۔ آمین

آہ! ڈاکٹر وحید مرزا

از سید صباح الدین عبدالرحمن

گذشتہ ماہ ریڈیو سے خبر ملی کہ اس برصغیر کے ایک بہت ہی لائق اور ممتاز اہل علم ڈاکٹر وحید مرزا کی وفات لاہور میں ہو گئی، اس خبر سے بڑا دکھ ہوا، ان سے میری ملاقات زیادہ نہیں رہی، اب سے ۳۵ سال پہلے سنہ ۱۹۴۱ء میں دہرہ دون میں تو ان سے برابر ملنے کا موقع ملا، اس کے بعد پھر کبھی ان سے نہیں ملا، مگر وہ اس وقت سے برابر دل و دماغ پر چھائے رہے، میں سنہ ۱۹۴۱ء میں ایک طویل علالت کے بعد دہرہ دون جا کر تقریباً تین مہینے رہا، سرسید احمد خاں

ہم عصر اور دوست منشی ذکاء اللہ مرحوم کے نامور فرزند جناب عنایت اللہ صاحب نے اپنی کوٹھی کے دو کمرے میرے قیام کے لیے دیدیے تھے، اسی زمانہ میں لکھنؤ سے ڈاکٹر وحید مرزا دہرہ دون آکر اپنے خسر جناب رضاء اللہ کے یہاں مقیم تھے، جو جناب عنایت اللہ صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، انجینیر کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر دہرہ دون میں ایک بنگلہ بنایا تھا، دونوں بزرگوں کا وطن دہلی تھا، مگر عنایت اللہ صاحب نے دہرہ دون ہی میں ڈالن والا کے سیمی روڈ پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، ان ہی کے بنگلہ کی پشت پر رضاء اللہ صاحب کا بنگلہ تھا، ڈاکٹر وحید مرزا ان دنوں لکھنؤ یونیورسٹی میں استاد تھے، وہ دہرہ دون آئے تو عنایت اللہ صاحب کو سلام کرنے آئے، وہیں ان سے میرا تعارف ہوا، قد لمبا اور جسم دبلا پتلا تھا، دونوں گال پچکے ہوئے تھے، کیونکہ منہ کے تمام دانت نکلوا دیے تھے، پتلون اور قمیص پہنے ہوئے تھے، بڑے متین اور سنجیدہ نظر آئے، خاموش بیٹھے رہے، عنایت اللہ صاحب کی باتوں کا جواب بہت ہی مختصر طریقے پر دے کر خاموش ہو جاتے، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو عنایت اللہ صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بڑی قابلیت رکھتے ہیں، امیر خسرو پر بہت عمدہ کتاب لکھی ہے، اس زمانہ میں خود عنایت اللہ صاحب کی لیاقت کی بڑی شہرت تھی، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے دار الترجمہ کے ناظم کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر بھی علمی کاموں میں لگے ہوئے تھے، ان کی جغرافیۂ اندلس سے استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی بہت متاثر تھے، پھر بہت سی کتابوں کے ترجمے کر ڈالے تھے، جن میں تائیس، سلامبو، تیمور اور چنگیز خاں زیادہ مقبول ہوئیں، ہوورتھ کی ہسٹری آف دی منگولس کی ضخیم جلدوں کے بھی ترجمے کر لیے تھے، ڈاکٹر وحید مرزا کی قابلیت سے ان کا متاثر ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی، میں نے اس زمانہ میں حضرت سید صاحب کے بہت سے مضامین کے ترجمے انگریزی میں

کیے تھے، دو چار ملاقاتوں کے بعد ڈاکٹر صاحب سے ان ترجموں کی انگریزی دیکھنے کو عرض کیا تو بڑی خوشی سے میرا مسودہ مجھ سے مانگا، اپنے پورے قیام میں اس کو دیکھتے رہے، انھوں نے جو اصلاح و ترمیم کی اس سے میں بھی ان کی قابلیت سے متاثر ہوا، ان کو عربی، فارسی انگریزی اور اردو پر بڑی قدرت حاصل رہی، مگر بے تکلف صحبتوں میں بھی کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرنا پسند نہ کرتے، ہم لوگ باتیں کرتے رہتے، وہ صرف سننے ہی پر اکتفا کرتے، کچھ دنوں پہلے ان کی بیوی یعنی رضاء اللہ صاحب کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تھا، اس سے ملول اور مغموم رہتے، ان کا لڑکا طاہر مرزا شاید تین چار برس کا رہا ہوگا، اسی سے دل بہلاتے رہتے، اس کی ہر طرح کی ناز برداری کرنے ہی میں ان کو لذت ملتی، وہ ان کو چھیڑتا، تنگ کرتا، ان کا ہاتھ پکڑ کر برآمدہ سے کمرہ اور کمرہ سے باہر لے جاتا، وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے رہتے، جتنے دنوں ان کا ساتھ رہا یہی تماشہ دیکھنے میں آیا، اس سے ان کی شرافتِ نفس کا گہرا نقش دل میں برابر قائم رہا، پھر ان سے ملاقات نہیں ہوئی، مگر آنکھوں کے سامنے وہی وحید مرزا رہے جن کو طاہر مرزا ہر طرح چھیڑا کرتے تھے،

دار المصنفین واپس آکر امیر خسرو پر ان کی کتاب منگوائی، اس کے پڑھنے میں جو لذت ۱۹۳۲ء میں ملی وہی ۱۹۷۶ء میں بھی پاتا ہوں، اپنی علمی و ادبی زندگی میں مجھکو امیر خسرو سے لگاؤ نہیں بلکہ عشق ہو گیا ہے، جن کو سب سے پہلے علامہ شبلی کے ذریعہ سمجھا مگر اس ذوق کی شراب کو دو آتشہ ڈاکٹر وحید مرزا کی کتاب نے بنایا، علامہ شبلی نے امیر خسرو سے متعلق اپنی شعر العجم میں جو کچھ لکھا ہے، اسی کے ایجاز کو اطناب ڈاکٹر صاحب کی تصنیف ہے، اگر علامہ شبلی بقید حیات ہوتے تو اس اطناب کی داد دل کھولکر دیتے، اسکی بڑی خوبی یہ ہے کہ امیر خسرو پر جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اس میں آگیا ہے، جو کچھ نہیں لکھا گیا ہے وہ بھی اس میں ہے، اور جو کچھ آگے چل کر لکھا جائیگا وہ بھی اس میں ہے"

۱۹۷۵ء ہندوستان اور پاکستان میں امیر خسرو کا سات سو سالہ جشن بہت دھوم دھام سے منایا گیا، ان تقریبات میں بہت سے مقالات پڑھے گئے، ہر طرف سے رسائل کے امیر خسرو پر نمبر نکالے گئے، ظروف بدلے ہوئے تھے، مگر مظروف وہی تھا جو ڈاکٹر وحید مرزا اپنے ظرف میں پیش کر چکے تھے،

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو کے بعد امیر خسرو کی مثنوی نہ سپہر کو ایڈٹ کر کے شائع کیا، اس سے پہلے امیر خسرو کی قران السعدین اور انکی خمسہ شائع ہو چکی تھیں، نہ سپہر کو ہاتھ لگاتے ہوئے شاید اہل نظر بھی گھبراتے تھے، مگر ڈاکٹر صاحب نے اس پر انگریزی میں ایک بہت ہی فاضلانہ مقدمہ لکھکر اس کو شائع کیا تو ایک بار پھر انکی اعلیٰ قابلیت کی دھوم ہوئی، انھوں نے مثنوی نہ سپہر کو جس طرح سمجھایا ہے اس سے بہتر شاید کوئی اور نہ سمجھا سکیگا، آیندہ جو بھی اس مثنوی پر کچھ لکھے گا، اس سے استفادہ کیے بغیر نہ رہ سکے گا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں اس لیے بھیجے گئے تھے کہ امیر خسرو کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں، ان کی طبیعت کی بلندی اور بے نیازی کا اثر اس حیثیت سے بھی پڑا کہ ۱۹۷۵ء میں جب پاکستان میں امیر خسرو پر نیشنل اور انٹرنیشنل سمینار ہوئے تو میں اُس زمانہ میں پاکستان ہی میں تھا، ان علمی مجلسوں میں ہر قسم کے اسکالر امیر خسرو پر کچھ نہ کچھ لکھ کر داد و تحسین کا خراج وصول کرنا چاہتے تھے، مگر ڈاکٹر وحید مرزا کہیں نظر نہیں آئے، حالانکہ ان ہی کا طوطی ہر جگہ بول رہا تھا، وہ ان تقریبوں کے ہنگاموں سے دور اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھے اپنی دنیا آپ آباد کر رہے تھے،

مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں مظہر کڑہ مانکپوری پر ایک بحث چھڑ گئی تھی، اس میں محمود شیرانی، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے ساتھ ڈاکٹر وحید مرزا نے بھی حصہ لیا تھا، ان کا مضمون بڑے شوق سے علمی حلقہ میں پڑھا گیا تھا، ۱۹۶۰ء میں دار المصنفین

سے "ہندوستان عربوں کی نظر میں" نکلی تھی، تو اس کی پہلی جلد پر ڈاکٹر صاحب نے حیدر آباد کے اسلامک کلچر میں ایک طویل ریویو لکھا تھا، اس میں ترجموں کے تسامحات کی نشاندہی فاضلانہ انداز میں کی تھی جن کو دارالمصنفین میں تسلیم کیا گیا۔

وہ جب تک لکھنؤ یونیورسٹی میں رہے، اساتذہ اور طلبہ دونوں نہ صرف ان کی عزت بلکہ ان سے محبت کرتے، یہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد لاہور کے پروفیسر محمد شفیع نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں اپنے یہاں مدعو کیا، جہاں وہ آخر وقت تک رہے، ان کے اعزہ زیادہ تر دہلی میں رہتے تھے، مگر انھوں نے لاہور میں رہ کر پنجاب یونیورسٹی سے ایم، اے کیا، اور وہیں سے پی، ایچ، ڈی کرنے لندن گئے، ان کو لاہور سے خاص مناسبت تھی، اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کو بھی منظور تھا کہ وہ وہیں سپردِ خاک ہوں۔

وہ اب آغوشِ رحمت الٰہی میں ہیں، مگر اپنے پیچھے ایک بہت ہی اچھے محقق، بہت اچھے اہل علم اور بہت ہی شریف انسان کی یاد چھوڑ گئے، امیر خسرو پر ان کی کتابیں تو شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ضرورت اس کی ہے کہ ان کی ایک اچھی سوانح عمری لکھ کر ان کی علمی سرگرمیوں کا سیر حاصل جائزہ لیا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی نیکیوں اور خوبیوں کی بدولت انکو کروٹ کروٹ جنت نعیم عطا کریں۔ آمین ثم آمین

تاریخ فقہ اسلامی

تاریخ التشریع الاسلامی مؤلفہ علامہ محمد الخضری مرحوم کا ترجمہ جس میں فقہ اسلامی کے ہر دور کی خصوصیات بہ تفصیل بیان کی گئی ہیں۔

ترجمہ از مولانا عبد السلام ندوی مرحوم۔ (طبع سوم) صفحات ۴۹۰ قیمت ۱۵ روپے ۶۵ پیسے

مطبوعات جدیدہ

آئینۂ ویسی۔ مرتبہ جناب محمد مطیع الرحمن صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۵۰۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۵/-

پتہ:- یونیورسٹی فلیٹ، لا کالج، کمپاؤنڈ، پٹنہ ۶

حضرت سید فتح علی ویسیؒ چاٹگامی (م ۱۳۰۴ھ) سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ حضرت صوفی نور محمد نظام پوریؒ سے بیعت تھے، زیرِ نظر کتاب میں ان کے اور ان کے سلسلہ کے کئی بزرگوں کے حالات درج ہیں، یہ دو حصوں میں ہے، پہلے حصہ کی ابتدا میں چاٹگام پر مسلمانوں کے اقتدار، صوفیہ کی تبلیغی مساعی، تصنیفی خدمات اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ اصلاح و جہاد میں شریک بنگالی خلفاء و مریدین کا ذکر ہے، پھر حضرت فتح علی ویسی کے سوانح، مریدین کی فہرست اور اکابر خلفا کے حالات درج ہیں، سید ویسی کے ایک اہم خلیفہ مولانا شاہ غلام سلمانی کے سلسلہ میں ان کے خلیفہ سید عبد الباری شاہ کا ذکر بھی آگیا ہے جو مصنف کے پیر مولانا محمد سعید خاں کے پیر حافظ حامد حسن علوی کے مرشد تھے، مصنف نے ان دونوں کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں، دوسرا حصہ دیوان ویسی کے تبصرہ و انتخاب پر مشتمل ہے، اس میں حضرت ویسی کی نعت گوئی پر زیادہ گفتگو کی گئی ہے، اس کتاب کا زیادہ حصہ صاحبِ تذکرہ کے سلسلۂ طریقت کے پہلے اور بعد کے بزرگوں کے حالات کی نذر ہو گیا ہے، اس حد تک تو

مضائقہ نہ تھا، مگر ہر ایک کے متعلقین، اولاد و احفاد کے مفصل ذکر اور معروف اشخاص کے بارہ میں طویل حاشیے لکھنے اور جگہوں کے ذکر میں خواہ مخواہ کی طوالت کی ضرورت نہ تھی، مصنف نے بزرگوں کی تعلیمات کا کم ذکر کیا ہے اور عقیدتمندی سے زیادہ کام لیا ہے، بعض جگہوں کے نام بھی صحیح نہیں لکھے گئے ہیں، حضرت سید اشرف جہانگیرؒ کا سنہ پیدائش ۶۸۸ھ اور سنہ وفات ۸۰۸ھ مسلم و محقق نہیں ہے، مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا مقام پیدائش مولانا علی میاں کی کتاب کے حوالہ سے ملانواں ضلع اناؤ بتایا گیا ہے، حالانکہ انھوں نے سندیلہ کی روایت کو ترجیح دی ہے، ان باتوں سے قطع نظر امید ہے کہ یہ کتاب مصنف کے سلسلہ کے لوگوں میں شوق سے پڑھی جائے گی۔

سیدّ عطاء اللہ شاہ بخاری۔ مرتبہ جناب شورش کاشمیری مرحوم، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۳۰۰، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۱۵ روپے پتہ مطبوعات چٹان ۸۸ میکلوڈ روڈ۔ لاہور۔

جناب شورش کاشمیری مرحوم کو جن اکابر سے زیادہ عقیدت تھی، اُن میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم بھی تھے، یہ پنجاب کے مشہور لیڈر، مجلسِ احرار کے روح رواں، جنگِ آزادی کے پرجوش مجاہد اور ملک کے بہت بڑے خطیب تھے، شورش مرحوم قومی تحریکوں میں برسوں ان کے ساتھ کام کر چکے تھے، اس لیے ان کی سوانح عمری لکھنے کا سب سے زیادہ حق انہی کو تھا، اس کا پہلا اڈیشن کئی سال پہلے چھپا تھا، دوسرا اڈیشن بڑے اضافے کے ساتھ شائع ہوا ہے، جو شاہ صاحب مرحوم کے ذاتی و خاندانی حالات، قید و بند کے واقعات، ملک و ملت کی راہ میں قربانی اور دوسرے کارناموں کا مرقع ہے، اس سے گذشتہ نصف صدی کی قومی، ملی اور سیاسی

جد و جہد کی سرگذشت کے علاوہ مجلس احرار اور قادیانیت کے خط و خال بھی پوری طرح سامنے آجاتے ہیں، اس حیثیت سے یہ کتاب مصنف کے خاص طرز نگارش کا نمونہ ہے، مگر ان پر صحافت و خطابت کا زیادہ غلبہ تھا، اس لیے ان دونوں کے اثرات سے ان کی ہر تحریر کی طرح یہ کتاب بھی خالی نہیں، میر تقی میر کے مشہور شعر "فقیرانہ آئے صدا کر چلے" الخ کو میر درد کا بتایا ہے (ص ۲۱۴) ہوش کو مونث لکھا ہے (ص ۲۱۸) حالانکہ یہ مذکر ہے، دونوں کا املا ہر جگہ دونو لکھا ہے، بعض ثقیل اور نامانوس الفاظ مثلاً مہلکہ، یراجمان، بریکٹ کرنا، استحصالات، ختم المرسلینی وغیرہ بھی استعمال کیے ہیں،

الالبانی شذوذہ واخطاؤہ (عربی) مرتبہ جناب ارشد السلفی صاحب، تقطیع کلاں، کاغذ بہتر، طباعت ٹائپ صفحات ۳۲۔ قیمت عہ، ناشر مکتبۂ علمیہ مالیگاؤں، ناسک، ہند

دمشق کے مشہور فاضل ناصر الدین البانی کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اور انھوں نے فن حدیث وغیرہ کی متعدد کتابوں کو اڈیٹ کر کے ترتیب و تحشیہ کے ساتھ شائع بھی کیا ہے، ان کو ان گوناگوں علمی و تحقیقی کاموں میں اپنے پیشرو مصنفین کی رایوں سے اختلاف کر کے ان کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کرنی پڑی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کی کاوشوں میں خود اُن سے بھی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں، مذکورۂ بالا رسالہ میں البانی کے بعض اغلاط و مسامحات دکھائے گئے ہیں، مگر ان کے مبلغ علم وغیرہ کے بارہ میں مرتب نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا لہجہ بہت نامناسب ہے، انھوں نے ابن تیمیہؒ پر البانی کی ایرادات تو نقل کی ہیں مگر ان کی تردید نہیں کر سکے ہیں، البانی کا اگر مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری مرحوم کو حنفی کہنا صحیح نہیں ہے تو مصنف کا ان کو ائمۂ اربعہ کا معاند قرار دینا بھی تو غلط ہے،

البانی کی غلطیوں کے باوجود ان کی علمی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا،

نئے پھول ۔ مرتبہ جناب مجیب بستوی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، صفحات ۴۸، قیمت ۶ر، پتہ انجمن افکار ادب، سمریانواں بازار، ضلع بستی۔

جناب مجیب بستوی نے زیر نظر مجموعہ میں اپنے چند احباب شعرا کے کلام کے نمونے اور ان کا مختصر تعارف شائع کیا ہے، اس میں اکثر شعرائے بستی اور اس کے نواح کے اضلاع کے ہیں، اور زیادہ تر غیر معروف اور نومشق ہیں، طباعت بہت خراب ہے، اور قیمت زیادہ ہے۔

اردو قواعد حصہ اول : از لے وائی انصاری بی۔ اے صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۸۰ قیمت عہ/۵ر، پتے (۱) کتب خانہ امدادیہ دیوبند، سہارنپور (۲) قومی کتاب گھر، دیوبند (یو۔پی)

اس کتابچہ میں اردو کے قاعدے مکالمہ کی صورت میں لکھے گئے ہیں، طلبہ کو اس خشک مضمون سے بڑی گھبراہٹ ہوتی ہے، اس لیے ان کی دلچسپی اور آسانی کے لیے لائق مصنف نے سوال وجواب کے پیرایہ میں ضروری قواعد بیان کئے ہیں اور حروف تہجی، لفظ اسم، ضمیر، صفت، فعل، حرف اور انکی قسموں نیز جملہ اور اس کے اجزا کی وضاحت بڑے دلچسپ انداز میں کی ہے اگر یہ مفید کتابچہ ابتدائی درجوں کے نصاب میں رکھا گیا تو امید ہے کہ بچوں کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

ض

جلد ۱۱۹ ماہ دسمبر ۱۹۷۶ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ عدد ۶

مضامین

مقالات

وفیات